ھیولا

ترتیب و تدوین

نسرین منہاس

صادق الاسرا

حدِ نگاہ تک ریت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ بادِ موسم کے تیز و تند جھکڑ چل رہے تھے اور سورج کی تمازت سے ریت کے ذرات یوں چمک رہے تھے جیسے زمین پر کہکشانی نظام اُتر آیا ہو۔

عامر کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے آنکھیں متورم اور ان کے کونوں پر پیلے رنگ کی کیچ جم کر کھرنڈ بن چکی تھی اور اس کا رنگ بھی سیاہی مائل بُھورا ہو چکا تھا۔ پیاس کی وجہ سے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔۔۔ اور بھوک کا تو احساس بھی مِٹ چکا تھا۔ لباس کے نام پر چند چیتھڑے بدن پر جھول رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دھجیاں بھی داغ مفارقت دینے کے لئے پر تول رہی ہیں۔

عامر تمام احساسات اور جذبات سے عاری ریت کے صحرا میں آگے اور آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔ اس کی آنکھوں کے آگے نیلے پیلے دائرے گھوم رہے تھے۔ یہ دائرے کبھی گردش کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں گھس جانا چاہتے یا پھر دوسرے لمحے یہی گردش کرتے ہوئے دائرے اپنی شکل وصورت بدل کر حسرت و یاس کے پیغا مبروں کی طرح اس کی نگاہوں سے دور ہوتے چلے جاتے اور اس کی نظریں غیر ارادی طور پر ان کا تعاقب کرتی ہوئی وہاں تک جا کر لوٹ آتیں جہاں زمین اور آسمان کے کنارے ملتے ہیں۔

اور پھر اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں کو ہتھیلیوں کی طرف موڑ کر انگوٹھوں سے دبایا اور آنکھیں ملنی شروع کر دیں۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" عامر نے کہا اور سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔

صحرا کے بیچوں بیچ ایک دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور اس کے کنارے کنارے سر سبز درخت لہلہا رہے تھے ہریالی ہی ہریالی۔۔۔ اور۔۔۔ پانی تھا زندگی بخش پانی جو اس وقت اس کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔

عامر دیوانوں کی طرح آگے بڑھا۔۔۔ لیکن چند ہی قدم چل کر گر گیا۔۔ ایک تو آگے ہی تن بدن میں جان نہیں تھی۔ دوسرے ریت میں میں چلنا کوئی آسان کام نہیں۔ پاؤں ٹخنوں تک ریت میں دھنس رہے تھے۔ وہ منہ کے بل گرا تھا۔۔۔ ناک منہ اور آنکھوں میں ریت گھس گئی۔۔۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔۔۔ اٹھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔۔۔ اٹھنے کی کوشش کی تو طاقت جواب دے چکی تھی۔۔۔

www.ksars.org

ریت حلق میں بھی چلی گئی تھی۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ حواس تاریکی میں ڈوب رہے تھے تاہم اس نے اسی حالت میں ریت پر اپنے آپ کو گھسیٹنا شروع۔۔۔ لیکن تا کجے! چند ہی لمحوں کے بعد وہ نڈھال ہو گیا اور زور زور سے سانس لینے لگا۔ سانس لینے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔۔۔ تھوڑی دیر تک اس پر یہ کیفیت طاری رہی اور اس نے کچھ دیر ستانے کے بعد جیسے ہی سر اُٹھانا چاہا اس کے دل میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی۔ اس نے ضبط کر کے بمشکل تمام آنکھیں کھولیں اور حسرت و یاس کے ساتھ دریا کی طرف دیکھا۔

اب وہاں درخت تھے نہ دریا تھا چہار سُو ریت ہی ریت تھی۔ جہاں تھوڑی دیر قبل پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا اب وہاں بگولے تھے جو آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

عامر نے آہستہ آہستہ گردن گھمائی۔ چاروں طرف دیکھا۔ پھر آسمان کی طرف اٹھی۔ ایک ہچکی لی اور ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

عامر کا بے جان جسم گرم ریت پر بے سدھ پڑا تھا اور دور خلا میں چند گدھ منڈلا رہے تھے۔۔۔ پھر عامر کے جسم میں سے ایک ہیولا نکلا اور تھوڑی دور جا کر بالکل عامر کی شکل و صورت اختیار کر گیا آسمان پر اُڑتے ہوئے گدھ آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے تھے۔۔۔ وہ ہیولا کبھی ان مردار خور جانوروں کو دیکھتا اور کبھی عامر کے مردہ جسم کو۔

"اچھا دوست! چلتے ہیں۔" ہیولے نے بلند آواز میں کہا۔۔۔ "میرا اور تمہارا بس اتنا ہی ساتھ تھا۔ میں نہ تو تمہاری طرح کمزور ہوں اور نہ ہی مجبور اور لاچار۔۔۔"

گدھ اب لاش کے قریب ریت پر اُتر آئے تھے اور ہیولا اہستہ آہستہ آسمان کی طرف اُٹھ رہا تھا۔ پھر وہ ریت کے ایک بگولے میں گم ہو کر تیزی سے ایک سمت روانہ ہو گیا۔

ناصر گم صُم آہستہ خرامی سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی جیب میں ہفتہ بھر کی کمائی ہوئی رقم تھی۔ اور وہ گرد و پیش سے بے خبر اس فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ ان پیسوں سے وہ کون کون سی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔۔۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بیمار ماں کا چہرہ گھوم گیا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا۔

"ناصر! اپنی ماں کو کسی سینی ٹوریم میں داخل کرا دو ورنہ مرض لاعلاج ہو جائے گا۔"

بے خیالی میں اس کا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ڈاکٹر کے دیئے ہوئے دوا کے پرچے پر چلا گیا۔ میڈیکل اسٹور والے نے ان دوائیوں کی قیمت اس دو ہفتوں کی مزدوری سے بھی زیادہ بتائی تھی اس کے دل میں ایک ہوک اُٹھی اور وہ تڑپ کر رہ گیا۔

www.ksars.org

سامنے پھل والے کا ٹھیلا کھڑا تھا۔ ناصر نے سوچا ماں کے لئے کچھ پھل ہی لے چلوں۔ ابھی اس نے ٹھیلے کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ سامنے سے جنگو آتا ہوا دکھائی دیا۔ ناصر کو سانس رُکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"یا الٰہی خیر!"

ٹھیلے والے نے پوچھا"ناصر بھیا! کیا چاہیئے؟"

محلے والے ناصر کی سادہ دلی اور منکسر المزاجی کی وجہ سے اس کا بہت احترام کرتے تھے نہ کسی کے لینے میں نہ کسی کے دینے میں۔۔۔ بس ایک جنگو دادا ایسا شخص تھا جس کو ناصر سے اتنا بغض تھا۔ آتے جاتے تنگ کرتا۔ گالیاں بکنا تو خیر اس کی عادت تھی ہی دھول دھپے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح ناصر جنگو دادا کا بھتہ ادا نہیں ادا کر سکتا تھا جنگو کا موقف یہ تھا کہ ناصر جان بوجھ کر اس کا بھتہ ادا نہیں کرتا۔ مار کھا لیتا ہے لیکن جیب ڈھیلی نہیں کرتا۔

جنگو اکثر و بیشتر ہفتہ کے روز اس تاک میں رہتا کہ ادھر ناصر مزدوری لے کر آئے اور ادھر وہ ہتھیا لے۔ آج ناصر کو اپنے خیالات میں جنگو کا دھیان ہی نہ رہا۔۔۔ اور جنگو اس کے سر پر موجود تھا۔

"ناصر! لاؤ میرا بھتہ!۔"جنگو نے کڑک دار آواز میں کہا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

پھل والے نے اپنا ٹھیلہ، گھبرا کر آگے بڑھا۔ ناصر نے دیکھا کہ جنگو کے دو ساتھی اس کے پیچھے کھڑے ہیں اور آنے جانے والے ان سے کترا کر نکل جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"جنگو دادا!"ناصر نے گھگیا کر کہا۔۔۔"میں بہت مجبور ہوں۔ ماں بیمار ہے، اس کی دوا کے لئے بھی پیسے پورے نہیں ہیں۔"

"اور یہ جو عیاشی ہو رہی تھی اس کے لئے پیسے ہیں۔"جنگو نے آگے بڑھ کر اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ اور جنگو کے ساتھیوں نے ایک بھرپور قہقہ لگایا۔

"دادا! یہ تو میں اپنی ماں کے لئے پھل لے رہا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا ہے۔"ناصر نے تقریباً رُوہانسا ہو کر جنگو کو قائل کرنا چاہا۔

ناصر ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ جنگو نے اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔

www.ksars.org

ناصر کے کان سائیں سائیں کرنے لگے اور اسے ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اسی وقت جنگو نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہفتہ بھر کی کمائی نکال لی اور نوٹوں کی نمائش کرتے ہوئے انتہائی ڈھٹائی سے ایک قہقہہ لگایا۔

"آج اگلا پچھلا حساب صاف ہو جائے گا۔ ہونہہ یہ کہتا ہے پیسے نہیں ہیں۔"

ٹھیک اسی وقت دوبارہ ناصر کے دماغ میں ایک جھٹکا لگا اور چشم زدن میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کے بدن میں اسپرنگ لگ گئے ہوں۔ جنگو نے بے یقینی کی کیفیت میں ناصر کی طرف دیکھا اور بھونچکارہ گیا۔ یہ وہ ناصر نہیں تھا۔ جو بزدل۔۔ خوفزدہ اور کمزور تھا۔ اس وقت اس کی انکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور خوف وہراس نام کی کوئی چیز اس کے چہرے پر نہیں تھی۔

جنگو کو جیسے سکتہ ہو گیا۔۔۔ وہ اس علاقے کا دادا تھا۔ اس نے اچھے اچھوں کے کس بل نکال دیئے تھے یہ ناصر تو خیر چیز ہی کیا تھا۔ ناصر نے دبنگ آواز میں کہا۔

"جنگو! میری رقم واپس کر دے۔۔۔!"

"اچھا۔۔۔۔" جنگو نے اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے اندر کا بدمعاش کروٹ لے کر بیدار ہو چکا تھا۔ "اگر واپس نہ کروں تو؟"

"تو اپنے پیروں پر چل کر یہاں سے نہ جاسکے گا۔" ناصر نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

جنگو کے لئے اب برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر ناصر پر حملہ آور ہوا۔۔ لیکن پھر دیکھنے والوں نے دیکھا جیسے ایک بجلی چمکی اور جنگو نیچے پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں جنگو کے دونوں ساتھی بھوکے کتوں کی طرح ناصر پر پِل پڑے اور ان کا انجام بھی جنگو سے مختلف نہیں ہوا۔ وہ دونوں بھی جنگو کے پاس ہی زمین چاٹ رہے تھے۔ ان میں تو چیخنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ دونوں کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔

اتنی دیر میں ارد گرد کافی لوگ جمع ہو گئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ سب کی ہمدردیاں ناصر کے ساتھ تھیں کیونکہ پورا علاقہ جنگو کے مظالم سے تنگ آیا ہوا تھا۔

کسی نے ناصر سے کہا۔ "ناصر بھاگ جاؤ۔ جنگو کے دوسرے ساتھیوں کو پتہ چل گیا تو تمہاری خیر نہیں۔"

www.ksars.org

"بلاؤاس کے ساتھیوں کو۔ آج میں فیصلہ کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔" ناصر نے غراتے ہوئے کہا۔

جنگو کی چیخیں رُکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ غالباًاس کا اپنا ہاتھ کلائی کے پاس سے ٹوٹ گیا تھا۔

لوگ حیران تھے کہ ناصر کی کایاپلٹ کیسے ہو گئی۔ یہ تو ایک مکھی کو بھی نہیں مار سکتا تھا۔ چہ جائیکہ جنگو جیسے غنڈے کے منہ لگنا۔ ہجوم بڑھنے لگا اور آناًفاناً یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل گئی کہ ناصر نے جنگو کو زخمی کر دیا ہے۔

ناصر وہاں سے جانے کے لئے بڑھا ہی تھا کہ سیٹیوں کی آواز سے مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ وہاں صرف ناصر موجود رہا۔

اے ایس آئی جنگو پر جھک گیا۔ جنگو کی چیخیں اب کراہوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ چاروں کانسٹیبل ناصر کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اے ایس آئی نے جنگو کے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کو پکڑا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ اے ایس آئی نے ناصر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو یہ تمہاری حرکت ہے؟"

"جی ہاں۔" ناصر نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"اس کا انجام جانتے ہو؟" اے ایس آئی نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔۔ اور تم بھی جان لو تھانیدار اگر کسی نے ان بدمعاشوں کی حمایت کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہو گا۔" ناصر نے اے ایس آئی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

چاروں کانسٹیبل چوکنا ہو کر ناصر کے اور قریب کھسک آئے، انھوں نے اپنی اپنی بیلٹ سے ڈنڈے بھی نکال لئے اور اب وہ اپنے انچارج کے اشارے کے منتظر تھے۔

"تمہیں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت کس نے دی؟" یہ کہتے ہی اے ایس آئی نے اپنے ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

ناصر نے چیتے کی طرح جست لگائی اور اڑتا ہوا اے ایس آئی پر جا پڑا۔ دوسرے لمحے اس کا ریوالور ناصر کے ہاتھ میں تھا۔

چاروں کانسٹبل اس افتاد کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ تو صرف پلکیں جھپکا کے رہ گئے اور اب سچویشن پوری طرح ناصر کے قبضہ میں تھی۔

www.ksars.org

اے ایس آئی جو نیچے گر گیا تھا۔ زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھتا ہوا بولا۔ ''تمہیں یہ جرات بہت مہنگی پڑے گی ناصر! قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔''

''ابھی تم نے میرے ہاتھ نہیں دیکھے تھانیدار۔۔۔'' اور پھر ناصر نے اے ایس آئی کے ریوالور کو اپنی مٹھی میں یوں دبایا جیسے وہ موم کا بنا ہوا ہو۔۔ ریوالور کی جگہ اب ناصر کے ہاتھ میں پچکا ہوا لوہا تھا اور وہ لوہا ناصر نے اے ایس آئی کے قدموں میں ڈال دیا۔

اے ایس آئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ریوالور کا حشر دیکھ رہا تھا اور کانسٹیبل غیر ارادی طور پر قدم قدم پیچھے ہٹ رہے تھے۔

''یہ چاروں سمجھدار ہیں تھانیدار! تم بھی عقلمندی کا ثبوت دو اور ان بد معاشوں کو ہسپتال لے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کچھ دن بعد یہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں۔۔۔ لیکن اطمینان رکھو اب ان کے ہاتھ کسی پر ظلم کرنے کے لئے ٹھیک نہیں ہوں گے۔۔۔ کبھی نہیں۔۔''

اے ایس آئی اس قدر حواس باختہ ہو چکا تھا کہ اپنے ماتحتوں کو حکم دینے کی بجائے خود ہی جنگو اور اس کے ساتھیوں کو اٹھانے کے لئے بڑھ گیا۔ ماتحت کانسٹیبل پریشان تھے کہ کیا کریں۔ وہ ناصر کے قریب آتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ ناصر گر جا۔

''آگے بڑھو!۔۔اُٹھاؤ انھیں۔''

اور وہ چاروں، ان زخمیوں کی طرف دوڑ پڑے ابھی وہ غنڈوں کو ہاتھ بھی نہ لگ پائے تھے کہ ناصر کی سر سراتی ہوئی آواز پھر سنائی دی۔

''ٹھہرو۔۔۔۔۔!''

ناصر نے جنگو کے قریب جا کر انتہائی اطمینان سے اس کی جیب سے اپنی رقم کے ساتھ اس کا بٹوا بھی نکال لیا جس میں نہ جانے کتنی رقم تھی اور رقم بھی ناصر جیسے لوگوں سے چھینی ہوئی ہی تھی۔

اے ایس آئی اور کانسٹیبل خاموش کھڑے دیکھتے رہے اور ناصر ایک جانب بڑھ گیا۔ انھوں نے تینوں بد معاشوں کو جیپ میں بدقت تمام بٹھایا اور جیپ ہسپتال کی فراٹے بھرنے لگی۔ یہ لوگ مڑ مڑ پیچھے دیکھتے جا رہے تھے کہ ناصر ان کے تعاقب میں تو نہیں آ رہا۔

www.ksars.org

لیکن ناصر کے ساتھ تو دوسرا تماشہ بن چکا تھا۔ جیسے ہی جیپ آنکھوں سے اوجھل ہوئی ناصر کے دماغ کو ایک بار پھر ویسا جھٹکا لگا اور اس کے جسم پر سے ایک ہیولا اتر کر اس ایک فٹ کے فاصلے پر چلنے لگا۔ ناصر نے اپنے ہاتھوں سے سر کو تھام لیا اور خالی خالی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔؟" اس نے سوچا۔

لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ جان پہچان کے لوگوں کی طرف دیکھتا تو وہ دوسری طرف دیکھنے لگتے۔

وہی پھل والا قریب ہی ٹھیلا لئے جارہا تھا اس نے سوچا میں تو پھل لینے والا تھا۔ اس نے پھل والے کو آواز دی۔

"فضلو بھیا!"

اور فضلو پھل والا اپنا ٹھیلا چھوڑ کر یوں بھاگا، جیسے اس نے سچ مچ کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

"کمال ہے۔۔۔ کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں۔۔" وہ بڑبڑایا۔

"ہاں! سینگ ہی نکل آئے ہیں۔" ہیولے نے قریب سے جواب دیا۔

ناصر نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا لیکن جواب دینے والا نظر نہیں آیا۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔۔ لیکن پھر آواز آئی۔

"وہم نہیں۔ حقیقت ہے ناصر!۔"

ناصر نے گھبرا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر ادھر اُدھر دیکھا۔ لیکن کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ وہ تو ایک ہیولا تھا۔۔۔ غیر مرئی۔۔ ناصر کے ذہن میں فوراً بھوت کا تصور اُبھرا اور خوف کی سرد لہر نے اس کے بدن پر کپکپی طاری کر دی۔

ناصر کے دل و دماغ کی کیفیات کا اظہار اس کے چہرے سے نمایاں تھا اور صورتِ حال کچھ یوں بن گئی تھی کہ ناصر خود کسی غیر مرئی وجود سے خوف زدہ تھا اور ارد گرد کے لوگ ناصر سے خوفزدہ تھے۔

ابھی یہ خوف کا تبادلہ ہو ہی رہا تھا کہ پولیس کی مخصوص سیٹیوں کی آواز پھر سنائی دی۔ ناصر نے پلٹ کر دیکھا۔ پولیس کی دو جیپیں اور ایک ٹرک جن میں مسلح پولیس کے جوان ایستادہ تھے تیزی سے اسی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

www.ksars.org

جیپ کاریں اور ٹرک عین ناصر کے نزدیک آکر رُک گئے اور ناصر ہکا بکا ان پر سے اُترتے ہوئے پولیس افسران اور سپاہیوں کو دیکھنے لگا۔ آگے آگے ایس پی اور اس تھانے کا انچارج ایس او تھے ان کے پیچھے وہی اے ایس آئی تھا جو اپنے آپ کو ان دونوں افسران کے پیچھے چھپانے کی کوشش میں عجیب مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

ٹرک سے اُترنے والے مسلح سپاہیوں نے فوراً چاروں طرف بیٹھ کر پوزیشن لے لی۔ اور ایس پی باوقار انداز میں ناصر کی طرف بڑھا۔

ناصر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب پولیس والے میرے گرد کیوں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ وہ تو پولیس کے ایک عام سپاہی سے بھی خوف کھاتا تھا۔ کہاں اتنے افسران اور سپاہی اور وہ بھی مسلح۔ وہ حیران و پریشان ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ایس پی نے پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔۔؟"

"ج۔۔۔ج۔۔۔جی حضور! میرا۔۔۔ن۔۔۔نام!"

ناصر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔نام پوچھا ہے میں نے۔۔۔" ایس پی نے کہا۔

"ن۔۔۔ن۔۔۔ناصر جناب۔"

ایس پی نے پیچھے چُھپے ہوئے اے ایس آئی کی طرف دیکھا۔۔۔"ڈر کے مارے بات تو اس کے منہ سے نہیں نکل رہی اور تم کہتے ہو کہ یہ خطرناک آدمی ہے۔۔۔؟"

جناب ہوشیار رہیں۔۔یہ بن رہا ہے۔۔۔میں آپ سے سچ۔۔۔"

"حماقت نہیں۔۔۔ چلو اسے ہتھکڑیاں لگاؤ اوحوالات میں بند کردو۔ بلاوجہ پریشان کر دیا۔۔"

"حضور میرا قصور؟" ناصر نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ مجھے یقین تو نہیں آرہا کہ تم کچھ کر سکتے ہو۔"

"جناب میری ماں بیمار ہے۔ میں اس کے لئے دوا لے کر جاؤں گا۔۔۔۔"

"لے جانا دوا بھی۔۔۔" ایس پی نے کہا اور اپنی جیپ کی طرف مُڑ گیا۔

www.ksars.org

ایس ایچ او نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا اور اس نے آگے بڑھ کر ناصر کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی۔ اے ایس آئی اب بھی بے یقینی کی کیفیت میں ناصر کو دیکھ رہا تھا اور ناصر ان سب کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے بکری قصائیوں کو دیکھتی ہے۔

نہ تو کوئی ہنگامہ ہوا نہ کوئی دقت پیش آئی اور ناصر کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

ایس پی نے ایس ایچ او کے دفتر میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

"مسٹر ریاض! یہ کیا چکر ہے، میں دلاور خان کو اتنا غیر ذمہ دار نہیں سمجھتا تھا۔"

"جناب۔ میری سمجھ میں خود نہیں آرہا۔ چاروں کانسٹیبل حلیفہ بیان دے چکے ہیں کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے یہ حیرت ناک واقعہ دیکھا ہے۔"

"اوہو۔۔۔۔! پھر وہی حیرت ناک واقعہ۔۔۔ میں کہتا ہوں ہم بیسویں صدی میں زندہ ہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں آپ نے ایسی خرافات پر یقین کیسے کر لیا۔۔۔۔ ریاض پلیز۔۔۔ اصل بات کچھ اور ہے۔۔۔ جنگو کے خلاف پہلے بھی شکایات میرے کانوں تک پہنچی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنگو کا کوئی دشمن یہ حرکت کر گیا ہو اور جنگو اب اس بلا کو اس غریب کے سر منڈھنا چاہتا ہو۔۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا جناب۔ ہم لوگ آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات کیسے کر سکتے ہیں۔ اس میں تو خود ہمارے محکمے کی بدنامی کا اندیشہ ہے۔"

"ہوں۔۔" ایس پی نے کہا۔۔ "اچھا ناصر کو لاؤ یہاں۔"

ایس ایچ او نے گھنٹی بجا کر اردلی کو بلایا اور جیسے ہی اردلی چِک اُٹھا کر اندر داخل ہوا اسے حکم دیا

۔۔۔

"ناصر کو حوالات سے نکال کر یہاں لے آؤ۔"

"جی بہتر۔۔" اردلی نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو سپاہی ناصر کو لئے ہوئے اندر آئے۔ ناصر نے آتے ہی ہاتھ جوڑ دیئے۔

"حضور۔۔۔ مائی باپ۔۔۔۔ رحم کیجئے۔ میرا قصور کیا ہے آخر۔۔؟"

"بکواس بند کرو۔۔۔۔" ایس ایچ او نے کہا اور ایس پی کی طرف دیکھنے لگا۔

www.ksars.org

ایس پی نے اے ایس آئی دلاور خان کو بلانے کے لئے کہا۔ انچارج نے ایک سپاہی کی طرف دیکھا پھر کچھ سوچ کر ہیڈ محرر کو فون پر دلاور خان کی طلبی کا حکم دیا۔

دلاور خان کمرے میں داخل ہوتے ہی لرز اُٹھا۔ سامنے ناصر کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔

دلاور خان نے ڈرتے ڈرتے ایس پی کی طرف دیکھ کر سیلوٹ کیا اور ناصر سے دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں ہوا کیا ہے۔۔؟" ایس پی نے جھنجھلا کر کہا۔ "ایک بے ضرر آدمی سے تم ایسے خوفزدہ ہو جیسے یہ کوئی ہوا ہے۔"

"جناب میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔۔۔" دلاور خان نے کنکھیوں سے ناصر کی طرف دیکھا۔" جناب اگر آپ اس وقت موجود ہوتے تو آپ کے تاثرات بھی یہی ہوتے۔"

"شٹ اپ! تم مجھے اتنا بزدل سمجھتے ہو۔۔۔۔" ایس پی نے میز پر مکہ مار کر کہا۔

"یس سر۔۔۔۔ اوہ۔۔۔ نو سر!" دلاور خان بوکھلا کر بولا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ناصر ذرا بھی اپنی جگہ سے ہلا تو دلاور خان بھاگ کھڑا ہو گا۔

ایس پی نے ذرا نرم لہجے میں ناصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اصل واقعہ کیا ہے تم ہمیں بتا دو۔"

'حضور مجھے تو جانے دیں۔۔۔ میری ماں بیمار ہے اس کے لئے دوا لے جاؤں گا۔ خدا آپ کا بھلا کرے گا۔۔ آپ کے بچے۔۔۔۔۔"

"بکو مت! جو پوچھ رہا ہوں بتاؤ۔۔ تم نے جنگو کو زخمی کیا ہے۔۔؟ ایس پی نے ناصر کی بات کاٹ کر کہا۔

"توبہ توبہ کریں حضور! میری یہ مجال۔" ناصر نے جلدی سے کہا۔

"یہ ایسے نہیں بتائے گا۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔" انچارج نے مداخلت کرتے ہوئے کہا اور ایس پی واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

عین اسی وقت ناصر کے ذہن کو پھر جھٹکا لگا۔

اور ہیولا ناصر کے اندر سما گیا۔ کہاں تو ناصر سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ یکدم تن کر سیدھا ہو گیا۔۔

www.ksars.org

"وہیں کھڑے رہو تھانیدار جی!۔"ناصر کے منہ سے غراہٹ نکلی۔

انچارج کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے اور ایس پی بھی چونک اُٹھا۔ دونوں سپاہی چوکنا ہو کر مستعد ہو گئے۔ دلاور کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

انچارج نے سپاہیوں سے کہا۔ "پکڑو اسے۔" اور دونوں کو سپاہی ناصر کی طرف جھپٹے۔ لیکن ناصر نے دونوں کو گردن سے پکڑ کر یوں اُٹھالیا جیسے وہ گوشت پوست کے انسان نہ ہوں دو گڈے ہوں۔ وہ بے بسی سے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور دلاور خان ایک کونے میں کھڑا لرز رہا تھا۔ ایس پی اور انچارج دونوں نے اپنے ریوالور نکال لئے ۔۔۔اسی وقت دلاور خاں چیخا۔

"رک جایئے۔۔۔ایس پی صاحب!"

دلاور خان انھیں سمجھاؤ۔ گولی چلانے کا انجام کیا ہو گا۔" ناصر نے تضحیک آمیز انداز میں کہا اور دونوں سپاہیوں کو گردن سے پکڑے ہوئے ایس پی اور انچارج کی طرف بڑھا۔

دونوں نے ریوالور جھکا لینے میں ہی عافیت سمجھی اور پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار سے جا لگے۔ اتنی دیر میں دلاور خان کو موقع مل گیا وہ بے تحاشہ کمرے سے بھاگ نکلا۔۔۔۔۔

ناصر نے دونوں سپاہیوں کو افسران کے سامنے زمین پر پٹخ دیا جو اس کے شکنجے سے آزاد ہو کر نیم مردہ اور بے حس و حرکت پڑے تھے۔

ایس پی اور انچارج بہر حال مضبوط اعصاب کے مالک تھے وہ خوفزدہ ہونے کے باوجود اوسان بحال رکھنے میں کامیاب رہے تھے۔

ناصر اطمینان سے گھوما اور کمرے سے نکل گیا۔ اتنی دیر میں پورے پولیس اسٹیشن میں کھلبلی مچ گئی تھی۔۔ چاروں سپاہیوں اور دلاور خان کی زبانی ناصر کی غیر معمولی قوت وطاقت کا تذکرہ ہر ایک کی زبان پر آ چکا تھا۔۔۔ کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہ کی اور وہ تھانے کے احاطہ سے نکلتا چلا گیا۔ لیکن وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ اس کے پیچھے تھوڑے فاصلہ سے ایک سایہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

پولیس اسٹیشن کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔

www.ksars.org

ایس پی اور ایس ایچ او دونوں نے اپنے اوسان بحال رکھنے میں بے مثال جرات کا مظاہر کیا تھا لیکن اس کے باوجود، دونوں ایک دوسرے سے آنکھیں چُرا رہے تھے۔ انھوں نے کچھ دیر پہلے دلاور خان اور ان کانسٹبلوں کا مضحکہ اُڑایا تھا اور اب خود دونوں افسران اسی قسم کی سچویشن کا شکار ہو گئے تھے۔

ایس پی بوجھل قدموں سے چل کر میز کے قریب آیا اور پھر پلٹ کر انچارج تھانہ سے مخاطب ہوا۔

"کامران کو بلواؤ۔۔۔ہری اپ۔۔"

"جی بہتر۔۔۔ ایس ایچ او نے کہا اور ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے ہیڈ محرر کو کامران کے بارے میں ہدایت دی۔ اور رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

چند لمحوں بعد کامران کمرے میں داخل ہوا۔ اور سیلوٹ کر کے اٹینشن ہو گیا۔

"اسٹینڈ ایزی۔" ایس پی نے کہا۔ "ابھی ابھی ایک ملزم فرار ہوا ہے یہاں سے۔ جانتے ہو اسے؟

"یس سر! اس وقت وہی پورے تھانہ کا موضوع گفتگو بنا ہوا ہے۔" کامران نے جواب دیا۔

"تفصیلات بعد میں معلوم کر لینا۔ فی الفور اس کا تعاقب کرو لیکن پوشیدہ رہ کر۔ وقت بالکل نہیں ہے۔ ایسے مواقع پر کن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔" ایس پی نے جلدی جلدی سمجھایا۔ "یہ کیس انتہائی پراسرار ہو گیا ہے۔۔۔ خدا کی پناہ! میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کسی شخص میں یک بیک اتنی طاقت پیدا ہو سکتی ہے حالانکہ تھوڑی دیر قبل۔۔۔۔ خیر چھوڑو۔ بس اب روانہ ہو جاؤ۔۔۔ میں اسے مِس نہیں کرنا چاہتا۔"

"جی بہت بہتر۔" کامران نے کہا اور اُلٹے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

ناصر ہیولے کا معمول بنا ہوا تیزی سے گھر کی طرف چلا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ بھیڑ دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ کامران بھی سادہ لباس میں اس سے تھوڑی دُور رک کر جائزہ لینے لگا اور بھیڑ میں اسے ناصر کے قریب آنے کا موقع ملا۔

سڑک کے کنارے ایک لحیم شحیم شخص جو تقریباً لباس سے بے نیاز تھا بیٹھا ہوا جھوم رہا تھا۔ منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ بدن پر میل کی تہیں اس طرح جمی ہوئی تھیں کہ اصلی کھال کی رنگت کا اندازہ کرنا بھی محال تھا ارد گرد پالش کی خالی ڈبیاں بکھری پڑی تھیں۔ اس کی انگلیاں پالش میں لتھڑی ہوئی تھیں نہ صرف انگلیاں بلکہ منہ، ٹھوڑی اور ناک کی پھنگل بھی پالش میں لت پت تھی۔

www.ksars.org

قریب ہی دو خوش پوشاک آدمی بیٹھے تھے۔۔۔ چیری بلاسم اور کیوی کی سربند ڈبیاں ان کے ہاتھوں میں تھیں اردگرد کھڑے ہوئے لوگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"اللہ کے کھیل بھی نیارے ہیں۔" ایک بولا۔

"ٹھیک کہتے ہو میاں! اب سائیں بابا ہی کو لو۔ بھلا کوئی انسان بوٹ پالش کھا کر زندہ رہ سکتا ہے؟" ایک ادھیڑ عمر کے صاحب نے جواب دیا۔

"اس پر طاقت کا یہ عالم ہے، ایک دن رنگے نانبائی کو دھکا دیا تھا، اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔" تیسرے نے لقمہ دیا۔

"بھائی جی! اس کے بعد رنگے کے دن کیسے پھر گئے تھے یہ نہیں دیکھا آپ نے!" کسی نے کہا۔

"سائیں بابا جس کسی سے پالش لے لیتے ہیں اس کی قسمت کے ستارے بدل جاتے ہیں۔۔ ان دونوں کو دیکھو کیسی منتیں کر رہے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے جیسے سائیں بابا سُن ہی نہیں رہے۔۔۔" کسی طرف سے آواز آئی۔

"اڑے ہٹو نیں! کیوں خالی پیلی بابا کو تنگ کرتا پڑا ہے۔" ایک مکرانی نے لوگوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

سائیں بابا اپنی دھن میں مگن جھوم رہے تھے اور لوگ آپس میں ان کے متعلق تبادلہء خیال کر رہے تھے، ان میں ایسے راہ گیر بھی شامل تھے جو ہجوم کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔۔۔ ایسے لوگ بھی تھے جو سائیں بابا کو کافی مدت سے جانتے اور ان کے عقیدت مند تھے کمی ان بے عقیدہ لوگوں کی بھی نہیں تھی جو ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے اور سائیں بابا کو ایک پاگل سمجھتے تھے ایسے لوگ دبی زبان سے اس بات کا اظہار بھی کر رہے تھے کہ ایسے پاگلوں کی جگہ سوائے پاگل خانے کے اور کوئی نہیں ہونی چاہیئے۔

اچانک سائیں بابا نے ایک طویل ہُو کا نعرہ لگایا اور اپنی لال انگارہ سی دہکتی آنکھیں مجمعے کی طرف اُٹھائیں۔ ہر شخص اپنے اپنے عقیدے کی عینک لگا کر سائیں بابا کو دیکھنے لگا۔

سائیں بابا نے ہجوم پر ایک اچٹتی ہوئی سی نگاہ ڈال کر اپنے قریب بیٹھے خوش پوش نوجوان کے ہاتھ سے پالش کی ڈبیہ لے لی۔

اس نوجوان کی آنکھوں میں جذبہ تشکر سے آنسو بھر آئے۔

سائیں بابا بولے۔۔۔ گھر بناتا۔۔ مدینے جاتا۔۔ ہُو۔۔۔ ہُو اُو۔۔ اُو۔۔۔۔۔"

مجمع میں سے کسی شخص نے کہا۔۔۔ "لو بھائی تمہارا تو بیڑا پار ہے۔"

www.ksars.org

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سائیں بابا نے ایک بار پھر نظریں اُٹھائیں اور ادھر اُدھر ایسے دیکھنے لگے جیسے کچھ تلاش کر رہے ہوں۔

"کدھر ہے!!!"

انھوں نے تیزی سے اپنی جلالی آنکھیں گھمائیں اور اس طرف مُڑے جدھر ناصر کھڑا ہوا تھا۔

کامران بھی اتنے عرصے میں ناصر کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔۔ ابھی بابا کی نظریں ناصر تک نہیں پہنچی تھیں کہ وہ لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔

کامران نے فوراً جھک کر ناصر کو دیکھا وہ بے ہوش ہو چکا تھا اور ابھی دو تین آدمی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کسی نے کہا۔

"بھئی پانی لاؤ۔۔"

ایک آدمی بھاگ کر کہیں سے پانی لے آیا اور کامران نے چلو میں تھوڑا سا پانی لے کر ناصر کے منہ پر چھینٹا مارا۔ یہ دیکھ کر سائیں بابا بولے۔

"نہیں۔۔۔۔ یہ نہیں ہے۔ وہ تو بھاگ گیا۔۔ ہُو اُو۔۔ اُو۔۔۔"

اور سائیں بابا اُٹھ کر تیز قدموں سے روانہ ہو گئے۔ کامران کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ اب کیا کرے۔ ناصر کو چھوڑ کر سائیں بابا کے پیچھے جائے یا ناصر کی دیکھ بھال کرے۔ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد اس نے طے کیا کہ سائیں بابا تو یہیں سڑکوں پر پھرتے رہتے ہیں ان سے پھر مل لیا جائے گا۔ فی الوقت ناصر کو ہی سنبھالنا چاہیئے۔

اتنی دیر میں ناصر کو ہوش آ چکا تھا اور وہ ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔ کچھ لوگ سائیں بابا کے پیچھے چلے گئے تھے اور دو چار ناصر کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ کامران نے ناصر کے قریب جا کر پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟"

"ٹھیک ہی ہوں۔ جانے کیا ہو جاتا ہے مجھے۔ آپ کون ہیں۔۔؟ ناصر نے کامران کی طرف مخمور آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔

"بھئی میں ایک راہ گیر ہوں۔ یہ سب لوگ بھی آپ کو گرتا دیکھ کر جمع ہو گئے ہیں۔ خیریت تو ہے؟"

"میں کہاں ہوں؟" اس نے ارد گرد حیران و پریشان ہو کر دیکھا پھر بولا۔۔۔ "یہ تھانہ تو نہیں ہے۔ میں تو تھانے میں تھا۔۔!"

www.ksars.org

"آپ اپنے حواس درست کرلیں یہ تھانہ نہیں سڑک ہے۔ رہتے کہاں ہیں آپ۔۔؟ آیئے میں آپ کو گھر تک پہنچادوں۔۔"کامران نے اسے سہارادے کر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"رہنے دیجئے۔۔ میں خود چلا جاؤں گا۔ آپ کہاں زحمت کریں گے۔"ناصر نے کامران کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اس میں زحمت کی کیابات ہے۔۔یہ تو میرا اخلاقی فرض ہے۔ آپ کی جگہ میں اس حالت میں ہوتا تو کیا آپ میری اتنی سی بھی مدد نہ کرتے۔"کامران نے ناصر کو قائل کرناچاہا۔

اور لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ ناصر، کامران کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ بے پناہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر قبل کے واقعات اسے بالکل یاد نہیں تھے۔اسے بس اتنایاد تھا کہ وہ تھانے میں ایس پی کے سامنے کھڑا تھا۔ پھر کیاہوا اور وہ کس طرح یہاں پہنچا۔ اس کے ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ غیر حاضر دماغی کی یہ کیفیت آج دوسری مرتبہ پیش آئی تھی۔

"میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔۔"ناصر بڑبڑایا۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔۔کچھ مجھے بھی بتایئے۔ آپ کی باتوں میں ربط نہیں ہے۔ ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ تھانہ نہیں ہے۔"کامران نے پوچھا۔

"بات ہی کچھ ایسی ہے بھائی صاحب!"ناصر نے کہا۔

"مجھے کامران کہتے ہیں۔ میں ایک سوشل ورکر ہوں۔۔ آپ کی تعریف؟۔۔ کامران نے تعارفی سلسلہ شروع کیا۔۔!

"میرا نام ناصر ہے۔ یہاں قریب ہی کے علاقے میں مزدوری کرتاہوں۔۔"ناصر نے جواب دیا۔

"تھانے کا کیا قصہ تھا؟"کامران نے اسے ٹٹولتے ہوئے کچھ پوچھا۔

"کچھ گڑبڑ ہے ضرور۔۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔۔"ناصر خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوا۔

"ناصر بھائی! آپ تو معمول میں باتیں کر رہے ہیں۔۔۔ کیا گڑبڑ ہے اور کیا کیسے ہو گیا۔ کچھ وضاحت تو کیجئے۔ ہوسکتاہے کہ میں ہی آپ کی کچھ مدد کرسکوں۔"کامران نے اسے مزید ٹٹولنے کی کوشش کی۔

www.ksars.org

"آپ کیا مدد کریں گے کامران بھائی۔ جبکہ مجھے خود صحیح صورتِ حال کا پتہ نہیں ہے۔" ناصر نے جزبز ہو کر جواب دیا۔

"پھر بھی کچھ تو معلوم ہو آخر کوئی سر پیر تو ہو گا حالات کا۔"

کامران پولیس کا ذہین ترین سراغراں تھا اور بات اگلوانے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ایس پی نے کافی اعتماد کے ساتھ یہ کیس اس کے سپرد کیا تھا۔ باوجود کم عمری کے اس نے اپنے محکمے میں بہت تھوڑے عرصہ میں شہرت حاصل کرلی تھی۔

بات ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ ناصر کا گھر آ گیا۔ ناصر نے کامران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کامران بھیا! وہ میرا گھر ہے سامنے۔۔ آیئے۔۔ اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

ناصر نے دروازہ کھٹکھٹایا اور تھوڑی دیر کے بعد ناصر کی ماں نے دروازہ کھول دیا۔ ناصر کے ساتھ ایک نئے آدمی کو دیکھ کر اس کی ماں ایک طرف ہو گئی اور ناصر، کامران کے ساتھ داخل ہو گیا۔

"ناصر بیٹے اتنی دیر۔۔۔ کہاں رہ گئے تھے آج؟" ماں نے پوچھا

"بس دیر ہو گئی ماں۔۔ اگر ہو سکے تو دو پیالی چائے بنا دو۔۔ یہ میرے دوست ہیں کامران صاحب۔۔۔ بہت ہمدرد آدمی ہیں" ناصر نے ماں کو بتایا اور اس طرح ماں کا اصل سوال ٹال گیا۔

"ابھی بناتی ہوں بیٹے۔ تم چلو اندر۔۔۔" ماں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ان پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ ناصر کمرہ میں جانے کے بجائے پلٹ کر فوراً ماں کے پاس آیا اور قریب پڑی چارپائی پر لٹانے کے لئے سہارا دے کر بولا۔

"رہنے دو ماں۔۔ میں ہوٹل سے چائے لے آؤں گا تم آرام کرو۔"

"ارے نہیں بیٹے۔ یہ روگ تو زندگی کے ساتھ ہے۔ گھر کے کام تو کرنے ہی پڑتے ہیں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔۔۔۔ اب میں ٹھیک ہوں تم جاؤ۔ اپنے دوست کے پاس بیٹھو۔۔ میں چائے بناتی ہوں۔" ماں نے ناصر کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ناصر کچھ دیر کھڑا ہو کر اپنی ماں کو حسرت سے دیکھتا رہا اور پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

کامران چارپائی پر بیٹھا ہوا کسی سوچ میں غرق تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو کامران بھیا۔۔" ناصر نے پوچھا

"ہوں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ بس ایسے، تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔۔ اب بتاؤ یہ واقعات کس طرح ظہور میں آئے" کامران نے کہا۔

www.ksars.org

"کامران بھائی! حالانکہ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے لیکن آپ کے ہمدردانہ رویہ کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہماری دوستی برسوں پُرانی ہے۔" ناصر نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اظہارِ خیال کیا۔

"خلوص کے لئے ماہ وسال کی طوالت بے معنیٰ ہے ناصر بھائی۔۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ ان واقعات کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ آج جب میں کام پر سے واپس آرہا تھا تو جنگو نے مجھے راستے میں روک لیا۔ جانتے ہو تم جنگو کو؟" ناصر نے سوال کیا

"اسے کون نہیں جانتا۔۔ وہ تو شیطان کی طرح بدنام ہے۔۔ اس نے کیوں روکا تھا تمہیں؟" کامران نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی وہ ہمیشہ دادا گیری کرتا ہے۔ جب موقع ملے پیسے چھین لیتا ہے۔ آج بھی اس نے اپنے بھتے کا تقاضہ کیا تھا اور مار پیٹ پر اتر آیا تھا۔۔۔ بس اس کے بعد میرے ذہن پر تاریکی چھا گئی۔ شاید اس کی مار کی وجہ سے میں اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ جب ہوش آیا تو جنگو اور اس کے ساتھی تو نہیں معلوم کہاں چلے گئے لیکن پولیس والوں نے پکڑ لیا اور لے جا کر حوالات میں بند کر دیا۔" ناصر نے بتایا۔

"کیوں۔۔ کیوں بند کر دیا تھا تم کو۔۔؟" کامران نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"بس جی وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے جنگو کو زخمی کر دیا ہے اور وہ ہسپتال میں پڑا ہے۔ آپ ہی انصاف کریں کامران بھائی! میں جنگو کو کیسے زخمی کر سکتا ہوں، میری تو اسے دیکھ کر ہی روح فنا ہو جاتی ہے۔ وہ مار مار کر میرا ابھر کس نکال دیتا ہے۔۔۔ میں اس پر ہاتھ اُٹھاؤں گا؟؟ وہ سب تو کہہ رہے تھے کہ میں نے اس کے دو ساتھیوں کو بھی زخمی کر دیا ہے۔ تینوں کی حالت نازک ہے۔ بھلا آپ کو میں ایسا آدمی نظر آتا ہوں؟۔" ناصر نے اپنی بپتا کامران کو سناتے ہوئے کہا۔

"عجیب وغریب اور حیران کر دینے والے واقعات ہیں۔۔۔ اچھا پھر کیا ہوا؟ کامران نے پوچھا۔

"بس جی یہیں تو دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔۔۔ میں تھانے میں کھڑا افسروں سے التجا کر رہا تھا۔ کہ پھر نجانے کیا ہو گیا مجھے۔۔۔ اور جب ہوش میں آیا تو آپ کو اپنے اوپر جھکا پایا۔۔۔ نہ تھانہ تھانہ پولیس والے تھے۔۔۔ سڑک پر پڑا ہوا تھا۔۔۔ اب آپ بتایئے میں ان باتوں سے کیا نتیجہ نکالوں؟"

ناصر نے خلا میں گھورتے ہوئے رک رک کر کہا۔

"ناصر بیٹے! چائے لے جاؤ۔۔ ماں نے آواز دی۔۔۔

"آیا ماں۔۔۔" ناصر نے کہا اور چائے لے کر واپس آ گیا۔

www.ksars.org

کامران چائے پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس قدر سادہ لوح انسان فریب کاری کا مرتکب ہر گز نہیں ہو سکتا۔ اپنے پیشہ ورانہ تجربے کی روشنی میں اس کے لئے یہ یقین کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ ناصر ضرور کسی خوفناک سازش کا شکار ہوا ہے۔۔ لیکن واقعات کی عینی شہادتیں اسے مشکوک ثابت کرنے پر جمی ہوئی تھیں۔ بہر حال ان شہادتوں کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ ناصر کے خیال میں کہیں سے کوئی اہم کلیو غائب ہے۔

"کامران بھائی! پولیس والوں نے یہ الزام بھی لگایا تھا کہ جنگو کو زخمی کر کے اس کی ساری پونجی لوٹ لی ہے۔۔ یہ دیکھیئے میرے پاس تو صرف اپنی مزدوری۔۔۔۔۔۔" ناصر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکالنے چاہے۔

"ارے! یہ کہاں سے آیا؟" ناصر کا ہاتھ جیسے ہی جیب سے باہر آیا۔ اس میں چند نوٹوں کے علاوہ جنگو کا پھولا ہوا بٹوا بھی موجود تھا ناصر کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔۔۔۔ نوٹوں کی گڈیاں بٹوے سے باہر جھانک رہی تھیں۔۔۔ ناصر کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔۔۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔۔۔

کامران نے معنی خیز نظروں سے ناصر کی طرف دیکھا۔۔۔ اب تک ناصر کے بارے میں جو نظریہ اس نے قائم کیا تھا وہ باطل ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے گھاگ مجرموں کی طرح ناصر شروع سے لے کر اب تک اداکاری ہی کر رہا ہو۔۔ لیکن پھر دوسرے لمحے اسے سائیں بابا کے الفاظ یاد آ گئے اور کامران عجیب شش و پنج میں پڑ گیا۔

"کیا یہ بٹوہ تمہارا نہیں ہے؟" اس نے ناصر سے پوچھا۔

"ن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں کامران بھائی۔۔۔!"

ناصر کی آواز میں لکنت پیدا ہو رہی تھی اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے بٹوے اور اس میں رکھی ہوئی رقم کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور بدن پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔

"خدا شاہد ہے بھیا۔ مجھے نہیں معلوم یہ بٹوا کیسے میری جیب میں آ گیا۔" ناصر رحم طلب نظروں سے کامران کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کامران نے آگے بڑھ کر ناصر کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے تم بے قصور ہو۔ سانچ کو آنچ نہیں۔ اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو میرا مشورہ ہے کہ تمہیں فوراً تھانے پہنچ کر ساری حقیقت بیان کر دینی چاہیئے۔ ورنہ یہ رقم تمہارے لئے مصیبتوں اور پریشانیوں کے دروازے کھول دے گی یہ تمہارے خلاف ناقابلِ تردید ثبوت ہو گا۔"

"تھانے والے مجھے پکڑ لیں گے!" ناصر نے ڈرتے ہوئے کہا۔

www.ksars.org

"نہیں بھئی جب تم خود ان کے پاس جاؤ گے تو صورتِ حال دوسری ہو گی۔ ایس پی صاحب میرے جاننے والے ہیں۔ میں ان سے تمہاری سفارش کروں گا۔" کامران نے ڈھارس بندھائی۔

"نہیں بھائی مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔۔۔ حالات میرے خلاف جارہے ہیں۔ کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔۔۔ میں انھیں کیسے یقین دلاؤں گا۔۔" ناصر روہانسا ہو کر بولا

"ناصر۔۔۔ ناصر۔۔۔ مرد ہو کر روتے ہو۔۔۔ اللہ پر بھروسہ کرو۔ میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں پھنسنے دوں گا۔۔۔ تم چلو تو سہی۔۔" کامران نے اسے دلاسہ دیا۔

"کامران بھیا! میرا اس دنیا میں سوائے بیمار ماں کے اور کوئی نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا تو میری ماں کا کیا بنے گا۔ وہ تو پہلے ہی بہت دُکھی ہے۔ دوا دارو کئے بغیر مر جائے گی بے چاری۔۔"

"دیکھو ناصر! جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں۔ اگر تم خود قانون کے سامنے پیش نہ ہوئے تو پولیس جلد یا بدیر تم تک پہنچ جائے گی اور پھر تمہارے لئے زیادہ پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تم کو چاہیئے کہ ایک قانون پسند شہری کی طرح خود کو قانون کے حوالے کر کے انصاف چاہو ورنہ ان حالات میں پتہ نہیں کیا کچھ ہو جائے۔ سب میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک سادہ لوح ہو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے چلو ساتھ میرے۔ کامران نے کہا۔

"چلوں۔۔!" ناصر گھگایا۔

"ہاں بھئی۔ فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا" کامران نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ناصر نے ماں سے کہا کہ وہ کامران کے ساتھ ایک ضروری کام سے جارہا ہے اگر دیر ہو جائے تو فکر نہ کرے اور بادل نخواستہ کامران کے ساتھ باہر آ گیا۔

نستور کے لئے انسانوں کی یہ دنیا واقعی ایک عجوبے سے کم نہیں تھی۔ اس کا تعلق قوم جنات سے تھا اور ایک سیاح کی طرح وہ کارخانہ قدرت کی دوسری مخلوقات کو دیکھنے کا عزم لے کر اپنے لوگوں سے رخصت ہوا تھا۔ اس کے والدین نے اس طرح جانے کی مخالفت بھی کی تھی۔

نستور کے والد اپنے علاقے کے ایک معزز جن تھے۔ نستور کے دل میں انسانی دنیا دیکھنے کی خواہش اس لئے بھی کروٹیں لے رہی تھی کہ وہ اپنے والد کے ساتھ ان کے پیر و مرشد کی خدمت میں کئی مرتبہ حاضری دے چکا تھا۔۔۔

www.ksars.org

اور پیر و مرشد کا تعلق انسانوں کی اسی حسین و جمیل اور پراسرار دنیا سے تھا۔ پیر و مرشد نے نستور کے والد کی طرح روحانیت کی کئی منازل اس کو بھی طے کرادی تھیں اور وہ نستور سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔

ایک دن جبکہ پیر و مرشد بہت خوش بیٹھے تھے نستور نے ان سے یہ انسانی دنیا جو اس کی نظروں میں حسین و جمیل ہونے کے علاوہ بہت زیادہ پراسرار بھی تھی دیکھنے کی اجازت حاصل کرلی۔ حالانکہ یہ اجازت مشروط تھی لیکن جن شرائط کا پیر و مرشد نے وعدہ لیا تھا نستور کے خیال میں ان کی پابندی ممکنات میں سے تھی۔ لہذا نستور آب و گل کی اس دنیا کی سیاحت کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

اس دنیا میں آزادی سے قدم رکھتے ہی نستور پر بوکھلاہٹوں کا دورہ پڑ گیا۔

جنات کی دنیا بھی عام لحاظ سے تو اسی انسانی دنیا سے مشابہ تھی۔ لین دین، ملازمتیں، اونچ نیچ، تجارت، طبقات، اچھائیاں برائیاں نیکی اور بدی، شجاعت اور بہادری، رحم دلی اور سخاوت، ظلم، کینہ پروری اور ذلت، حسد اور شک، دیانت اور امانت، بے ایمانی اور خباثت غرضیکہ ہر وہ چیز جو کسی نوع میں ممکن ہو سکتی ہے ان میں بھی موجود تھی۔

لیکن نستور کے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ اللہ تعالیٰ کی اس عجوبہ روز گار مخلوق کے یہاں ان تمام باتوں کی ان تمام اقدار کی کوئی حد متعین نہیں ہے اور یہ بات اس کے لئے کسی اچنبھے سے کم نہیں تھی۔ اس کی دنیا اور ماحول میں تو ہر بات اور ہر معاملے کی حدود کا یقین تھا۔

اس دنیا میں اس کے والد کے پیر و مرشد جیسے عظیم المرتبت اور صاحب کمال بزرگ بھی تھے جن کی پاک باطنی اور عظمت بے مثال تھی اور اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ ان جیسا روشن ضمیر اور صاحبِ علم شاید جنات کی دنیا میں ایک بھی نہ تھا۔۔۔ ورنہ اس کے والد بزر گوار اپنی دنیا چھوڑ کر پیر و مرشد کے سامنے کیوں زانوئے تلمذ تہ کرتے۔

اس دنیا میں غیر اخلاقی اقدار کی بھی اس قدر فراوانی تھی کہ یہاں آتے ہی چند واقعات نے نستور کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پہلے تو وہ ایک عام سیاح کی طرح دیکھتا ہوا گزر تا رہا لیکن ناصر کا معاملہ ان سب سے جدا تھا۔

نستور نے دیکھا کہ ایک سیدھا سادا انسان جو ہر معاملے میں بے ضرر ہے ہر چہار طرف سے مصائب میں گھر گیا ہے۔ پہلے تو ایک بدمعاش نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ پھر وہ ہیولا اس پر سوار ہو گیا۔۔۔ اور اس کی مدد کرنے کے بجائے اس کے لیے مصیبت بن گیا۔ اس نے جان چھوڑی تو پولیس والوں نے گھیراؤ کر لیا۔ اب پھر پولیس کا ایک سراغرساں اسے بہلا پھسلا کر تھانے کی طرف لے جا رہا تھا۔

www.ksars.org

کامران ناصر کو لے کر پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔ اسے باہر بینچ پر بٹھا کر ایس پی کو اطلاع دی کہ ناصر آگیا ہے اور باہر بیٹھا ہوا ہے۔ جبکہ پورے تھانے میں ناصر کی دوبارہ آمد سے بے چینی سی پھیل گئی تھی۔

ایس پی کے پوچھنے پر کامران نے تمام واقعات بے کم وکاست بیان کر دیئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کے خیال میں واقعی ناصر بے قصور معلوم ہوتا ہے۔ یہ ضرور کوئی غیر معمولی طلسمی چکر ہے۔

ایس پی نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد پوچھا۔ "اب وہ کس کیفیت میں ہے ؟"

"بالکل نارمل سر! وہ آپ سے مدد کا طلبگار ہے۔ "کامران نے رائے دی۔

'ٹھیک ہے۔ فی الحال اس کے قبضے سے جنگو سے حاصل کردہ رقم برآمد کر کے حوالات میں بند کر دو۔" ایس پی نے حکم دیا۔

"سر! سائیں بابا سے ملنا فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے!۔ کامران نے کہا۔

"اچھا! تو تم بھی ان اوہام کا شکار ہو۔"

"سائیں بابا کے بارے میں لوگوں کے خیالات کچھ اور ہیں سر!"

"پھر؟"

"میرا مطلب ہے سر۔۔۔۔۔"

"تم جا سکتے ہو۔۔۔ ایس پی نے بیچ میں سے کامران کی بات کاٹ کر حکم دیا۔

ابھی ناصر کو حوالات میں سلاخوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ اس کے کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں اور جب اس نے ان آوازوں کی طرف اپنا ذہن مرکوز کیا تو آواز ئی

"ناصر!"

"اوہ" وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ناصر کے ذہن پر کیف و سرور کی ایک وجدانی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ مستی کا ایک عالم تھا۔ جس میں وہ ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بوجھل ہوتی چلی جا رہی تھیں اور غنودگی ایک نشہ کی طرح اس پر اپنا تسلط جما رہی تھی اس نے سنبھلنے کی لاحاصل کوشش کی اور اپنے سر کو پکڑ لیا لیکن گھنٹیوں کی آواز اسے انبساط کی وادیوں میں لے گئی۔ غنودگی میں اُس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت باغ ہے جہاں عطر بیز ہوائیں مشامِ جان کو معطر کر رہی تھیں۔ رنگارنگ

www.ksars.org

پھول سر اُٹھائے کسی کی آمد کے منتظر تھے۔ ہر شہار سو بھینی بھینی خوشبو کی مہکار پھیل رہی تھی۔ پرندے چہچہا رہے تھے۔ فضا ایک خوش رنگ ٹھنڈی اور فرحت بخش دودھیا چاندنی میں نہائی ہوئی تھی آسمان قوس قزح بنا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہر چیز پر بہار چھائی ہوئی ہے۔ ماحول اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی پاکیزگی کا مظہر تھا۔ ناصر نے ایسی دنیا کاہے کو دیکھی تھی۔ وہ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر مسحور ہو رہا تھا کہ اسے اپنے پیچھے مدھم سروں میں ساز بجتے ہوئے سنائی دیئے پھر دوسرے لمحے ناصر نے محسوس کیا کہ سازوں کے پس منظر میں بالکل واضح طور پر کوئی اس کا نام لے کر پکار رہا ہے۔

"ناصر! ادھر دیکھو!"

ناصر نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر دیکھا تو اس کے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹتی ہوئی نظر آئیں اس نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل نوجوان اسے میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ ناصر نے محسوس کیا کہ نوجوان کی مخمور آنکھوں سے ایک برقی رو نکل کر اس کے سراپا میں منتقل ہو رہی ہے۔ ان نگاہوں کی ضیاپاشی اپنی تمام تر شدت کے باوجود ایک معصوم اپنائیت کا اظہار کر رہی تھی جیسے کسی تعارف کے بغیر ہی اجنبیت کی دیوار کو گرا دینے پر تلی ہو۔

ماحول کے تاثر نے ناصر پر جو کیف و سرور کی کیفیت طاری کر دی تھی اس جوانِ رعنا کی نگاہوں کی جلوہ افروزی نے اسے دو آتشہ کر دیا تھا۔ وہ ایک معمول کی طرح اس کی طرف بڑھا۔ اجنبی نوجوان نے بھی باوقار انداز میں ناصر کی پزیرائی کی اور کہا۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو دوست؟"

"آپ اپنا تعارف نہیں کرائیں گے؟ ناصر نے جواب دیا۔

"ضرور کرائیں گے۔"

"میں کہاں آگیا ہوں۔۔۔۔۔ اور کیسے آیا ہوں؟" ناصر نے گرد و پیش دیکھ کر دوسرا سوال کیا۔

"تشریف رکھیئے۔" اجنبی نے گھاس کے ایک خوشنما تختے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود بھی قدم قدم اس کی طرف بڑھا۔

"میرا نام نستور ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ مجھے کیسے جانتے ہیں آپ؟" ناصر نے پوچھا۔

www.ksars.org

"بس جانتاہوں۔۔۔دوستی کرناچاہتاہوں تم سے۔"نستور نے کہا

"مجھ حرماں نصیب سے دوستی کرکے آپ کو کیا ملے گا؟"ٹھنڈی سانس لے کر کہا

"دوستی فائدے اور نقصان کے بوجھل الفاظ سے ماوراہوتی ہے۔"نستور نے گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں خداجانے کس طلسمی چکر میں گرفتار ہو گیاہوں سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ ماجرا کیاہے، حالات وواقعات کا کوئی سرانہیں ملتا۔یاتومیرادماغ خراب ہو گیاہے یالوگوں کو مجھ سے اللہ واسطے کا بیر ہے۔۔۔لیکن پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھابس اچانک۔۔۔۔"

"ناصر میاں! مجھے سب معلوم ہے۔واقعی آپ کے ساتھ زیادتی ہورہی ہے۔"نستور نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ کو معلوم ہے۔مگر کیسے؟شاید ہماری پہلی ملاقات ہے۔"ناصر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ملاقات تو پہلی بار ہوئی ہے تم سے لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہامیں تمہارے بارے میں وہ کچھ بھی جانتاہوں جو تم خود نہیں جانتے۔"نستور بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتاہے۔آپ کہنا کیاچاہتے ہیں؟"

"وہی جو میں کہہ رہاہوں۔اچھا آنکھیں کھولو۔"نستور نے کہا۔

"آنکھیں کھولوں۔۔بھئی کھلی ہوئی تو ہیں میری آنکھیں۔"

ناصر نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔۔اور صرف ایک لمحہ جو پلک جھپکنے میں صرف ہواناصر کو دوبارہ حوالات کے ماحول میں لے آیا۔اس نے دیکھا کہ وہ گھٹنوں میں سر دیئے حوالات میں بیٹھاپلکیں جھپکارہاہے۔

دروازے پر کھڑاہواسنتری اپنے ساتھی سے پوچھ رہاتھاجو ابھی کسی کام سے ادھر آیاتھا۔

"یار تم نے سینٹ یاعطر وغیرہ لگایاہے کیا؟"

"نہیں تو۔۔۔لیکن خوشبو مجھے بھی آرہی ہے۔"دوسرے ساتھی نے جواب دیا۔

www.ksars.org

"یہ مست و بے خود کر دینے والی خوشبو اس سے پہلے تو کبھی نہیں سونگھی۔ لگتا ہے جیسے خوشبو حوالات کے اندر سے آرہی ہے۔" سنتری نے سلاخوں کے دوسری طرف نظر دوڑائی۔

"اس سے دور ہی رہنا۔ تم کو شاید معلوم نہیں ہے یہ کتنا خطرناک آدمی ہے۔ تم تو شہر گئے ہوئے تھے۔ تمہارے پیچھے یہاں بہت کچھ ہو چکا ہے" دوسرے سپاہی نے اسے آگاہ کرتے ہوئے مختصراً ساری روداد بھی سنادی۔

ناصر گردن کو جھٹکا دے کر کھڑا ہو گیا اس کے دماغ میں وادی کی خوشبو ابھی تک بسی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے سلاخوں کے قریب آکر سنتری سے بولا۔

"تمہیں بھی خوشبو آرہی ہے نا؟"

اور سنتری سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر خجل سا ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ دوسرا سپاہی بھی جلدی جلدی ایک طرف چلا گیا۔

ناصر پژمردہ ہو کر واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔ وہ سوچنے لگا میں نے کوئی خواب دیکھا ہے پھر خیال آیا نہیں یہ خواب نہیں ہو سکتا۔ میں نے سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ خواب اس قدر تفصیل سے یاد نہیں رہتے اور پھر حوالات میں اس کو اپنی موجودگی ہی خواب معلوم ہونے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور بڑبڑانے لگا۔ یہ میرا واہمہ ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں حوالات میں بند ہوں۔۔۔ ناکردہ گناہ۔۔۔ بلاوجہ۔۔۔ اے کاش! وہ میرا واہمہ نہ ہوتا۔۔ کتنا اچھا تھا وہ نوجوان۔۔ اس نے اپنا نام نستور بتایا تھا۔۔۔ "نستور!"

ناصر خود کلامی کے سے انداز میں پکار اُٹھا اور ٹھیک اسی لمحہ اس کی سماعت سے گھنٹیوں کی آواز دوبارہ ٹکرائی اور جواب ملا۔

"کیا بات ہے ناصر!"

ایس پی اپنی خواب گاہ میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس کی سوچ کا محور ناصر تھا۔ واقعات جس طرح ظہور پذیر ہوئے تھے وہ ان کی کڑیاں ملانے سے قاصر تھا۔ کامران نے سائیں بابا کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ اس راز سے

www.ksars.org

پردہ اُٹھانے میں تعاون کریں۔ لیکن جہاں تک ایس پی کی معلومات کا تعلق تھا وہ تو ایک پاگل فقیر تھا اور پاگل کسی کے مسائل سلجھایا نہیں کرتے وہ تو مسائل میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور بیوی کو آواز دی۔۔۔!

"بیگم!"

"ابھی آتی ہوں۔" دوسرے کمرے سے بیوی نے جواب دیا اور ایس پی پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کیا بات ہے؟" بیوی نے خواب گاہ کا پردہ اُٹھا کر پوچھا۔

"ہوں۔۔۔ بیگم! میں نے ایک پیالی چائے کے لئے کہا تھا۔" ایس پی نے چونک کر جواب دیا۔

"اس وقت آپ ہیں کہاں۔۔ چائے آپ کے آگے میز پر رکھی ہے اور اب تو یہ ٹھنڈی بھی ہو گئی ہو گی۔ اور بنا دوں" بیوی نے پوچھا

"پلیز! اگر زحمت نہ ہو۔۔۔۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں، آپ کی خدمت میرے لئے زحمت کیسے ہو سکتی ہے۔" بیوی نے پیار بھری نظروں سے شوہر کی طرف دیکھ کر کہا اور چائے کی پیالی اُٹھا کر لے گئی۔

ایس پی اسی طرح بیٹھا سوچتا رہا کہ بیوی چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کی پیالی اس مرتبہ اس نے شوہر کے آگے رکھ دی اور قریب ہی پڑی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

"چائے پی لیجئے نہیں تو یہ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"ہاں۔۔۔ آں! پیتا ہوں۔۔۔" ایس پی بولا۔

"آپ کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آتے ہیں۔ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس ایک کیس خاصا الجھ گیا ہے۔ تم آرام کرو۔۔"

چائے پی کر ایس پی آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔

کہتے ہیں نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ ایس پی بھی تھوڑی دیر کے بعد شعوری حواس سے آزاد ہو گیا۔

www.ksars.org

"ادھر دیکھو!"

ایس پی کے کان میں آواز ائی اور وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کے سامنے ایک روشن ہیولا کھڑا ہوا تھر تھر ارہا تھا۔ خوف کے مارے ایس پی کی گھگی بندھ گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اس غیر معمولی روشن مجسم صوورت کی طرف دیکھا۔

"غور سے سنو! ناصر میرا معمول ہے۔ مجھے اپنے معمول کی ضرورت ہے اگر تم نے اپنی مداخلت ترک نہ کی تو بھیانک نتائج کی ذمہ داری تمام تر تمہارے اوپر عائد ہوگی۔ ابھی تو جنگو اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ پیر ٹوٹے ہیں۔ لیکن اگر تم باز نہ آئے تو تھانے کے اندر خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ ہوش و حواس سے کام لو اور جنگو کے انجام سے عبرت پکڑو۔۔۔" ہیولا اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ روشنی سے مرکب یہ سراپا بتدریج فضا میں تحلیل ہو گیا۔ ایس پی پسینہ میں شرابور تھا۔۔۔ ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر سنسنی پیدا کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور باوجود کوشش کے وہ پلکیں نہیں جھپکا سکتا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کے آگے رنگ برنگے دائرے گردش کرنے لگے۔ خوف سے اس کا بُرا حال تھا۔ ہیولے کی شبہیہ اس کے دماغ پر نقش تھی۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ تک یہی کیفیت اس کے اوپر طاری رہی۔ پھر وہ اپنے ہوش و حواس میں آ گیا۔ اس نے سوچا۔ ہو سکتا ہے ناصر بے قصور ہو۔ اور واقعی کوئی مافوق الفطرت ہستی اس پر قابض ہو ساری رات وہ جاگتا رہا باوجود کوشش کے اسے نیند نہیں آئی۔

ناصر نے حیران ہو کر آنکھیں کھولیں۔ نستور اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہی ماحول اور ویسا ہی منظر تھا۔

"یہ سب کیا ہے نستور بھائی! آپ کون ہیں؟"

"ابھی تم نے خود ہی کہا ہے نستور بھائی۔۔۔ تمہارا بھائی ہوں، تمہارا دوست ہوں، تمہارا ہمدرد ہوں۔"

خوشگوار ماحول کے باوجود تغیر ہر آن اور ہر لمحہ نے ناصر کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس بار وہ فضا کی پُرسحر کیفیت سے اتنا لطف اندوز نہیں ہو سکا جتنا پہلی بار ہوا تھا۔

www.ksars.org

"نستور بھائی سچ سچ بتاؤ۔ یہ حقیقت ہے یا خواب۔ ابھی تو میں حوالات میں بند تھا، تمہارے پاس کیسے آ گیا۔ کیا تم کوئی جادو گر ہو؟۔"

"نہیں بھئی جادو گر نہیں ہوں۔ جیسے تم اللہ کی مخلوق ہو ویسے ہی میں بھی ایک مخلوق ہوں۔" نستور نے جواب دیا

"میں اس سے کیا نتیجہ اخذ کروں۔ میرے شعور وادراک میں یہ بات نہیں آتی کہ حوالات میں بند کوئی قیدی یہاں کیسے آسکتا ہے؟" ناصر نے کہا۔

"تم اب بھی حوالات میں ہو۔ بس دیکھنے کا انداز بدل گیا ہے۔ اگر چاہو تو اس قید سے آزاد ہو سکتے ہو کوئی تمہیں روکنے والا نہیں ہے۔ اُٹھو۔ دیکھو۔ تالا کھلا ہوا ہے۔ سیدھے اپنے گھر جاؤ۔ تمہاری ماں بہت پریشان ہے۔" نستور نے کہا۔

ناصر نے نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھول دیں سامنے حوالات کا دروازہ تھا۔ سنتری کا دور دور کہیں پتہ نہیں تھا اور لوہے کا وزنی تالا کنڈے میں لٹکا تھا۔ ناصر نے ہتھیلیوں سے اپنی آنکھوں کو ملا اور اُٹھ کر حوالات سے باہر آ گیا۔ پہلے اس نے متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا نستور کو دیکھا اور تھانے سے باہر نکلا چلا گیا۔ کسی نے بھی اسے نہیں روکا ایک فرد واحد بھی نظر نہیں آیا جو اس کا راستہ روکتا۔ پولیس اسٹیشن پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور ناصر نے گھر کی راہ لی اس کے ذہن میں صرف نستور کی یہ بات تھی کہ اس کی ماں بہت پریشان ہے۔

رات کے وقت تقریباً ایک بجے جب اس نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی تو دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا معلوم ہوتا تھا جیسے ناصر کی ماں دروازے کے پاس بیٹھی اس کی منتظر ہو۔

"ناصر! اتنی دیر لگادی بیٹے۔ میرا تو خون خشک ہو گیا تھا۔۔" ماں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

اور ناصر اس طرح ماں سے لپٹ گیا جس طرح کوئی شیر خوار بچہ ماں کے سینہ سے لگ کر دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ماں نے بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

"ایسا کون سا کام آن پڑا تھا میرے لال جس میں آدھی رات تک تجھے اپنی دکھیا ماں کا خیال تک نہ آیا۔"

www.ksars.org

"ماں کیا بتاؤں۔ میں تجھے کیا بتاؤں ماں!۔" ناصر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماں کو نہیں بتائے گا۔" ماں اسے ساتھ لئے ہوئے کمرے میں آگئی۔

"بس آج معاف کردے آئندہ کبھی دیر نہیں ہوگی۔" ناصر نے ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"معاف نہیں کروں گی تو اور کیا کروں گی۔ چل کھانا کھالے۔"

"ہاں مجھے بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔" ناصر نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

ماں نے گرم گرم کھانا اس کے آگے رکھ دی اور ناصر کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے کئی دن کا بھوکا ہو۔

کھانا کھاتے ہی ناصر پر خمار چھا گیا اور وہ بستر پر گر کر نیند کی میٹھی آغوش میں چلا گیا۔

صبح سویرے ماں نے ناصر کو اُٹھایا اور ناشتہ کے بعد کام پر جانے کی تلقین کی۔ ساتھ ہی نصیحتوں کے دفتر بھی کھول دیئے تاکہ سیدھا کام پر جائے وہاں سے سیدھا گھر آئے وغیرہ وغیرہ۔

ناصر مسکرا مسکرا کر ماں کی بات سنتا رہا اور پھر مزدوری کے لئے روانہ ہو گیا۔

صبح کے وقت ہر شخص کو آپا دھاپی پڑی ہوتی ہے، ہر کوئی کام پر جانے کے لئے اِدھر سے اُدھر بھاگتا نظر آتا ہے۔ کوئی بس کا انتظار کرتا ہے تو کوئی رکشہ ٹیکسی ڈھونڈتا ہے لیکن ناصر چونکہ قریبی علاقہ میں مزدوری کرتا تھا اس لئے وہ حسبِ معمول پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے محسوس کیا کہ لوگ اس سے کترا کر نکل جانا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی اس کے ساتھ چلنے اور اور اس سے آنکھ ملانے کو تیار نہیں حالانکہ پہلے یہی لوگ اس کے ساتھ گپیں ہانکتے ہوئے کام پر جایا کرتے تھے۔ پہلے تو کوئی خاص خیال نہ کیا لیکن جب کام پر پہنچنے کے بعد تمام مزدور اس سے کافی فاصلے پر جا کر علیحدہ کھڑے ہو گئے اور خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے تو صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہوا اور اسے یہ بھی یاد آیا کہ کل جب وہ کامران کے ساتھ اپنے گھر جارہا تھا اس وقت بھی لوگ اس سے بچ بچ کر گزر رہے تھے اور خوف زدگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

ابھی وہ اس صورتِ حال کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ سپروائزر جو کل تک اس کے ساتھ انتہائی اہانت آمیز سلوک کرنے کا عادی تھا ڈرتے ڈرتے اس کے قریب آیا اور فدویانہ انداز میں بولا۔

www.ksars.org

"ناصر بھائی! ایک گزارش ہے۔"

"کیا بات ہے استاد!۔" ناصر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ سب لوگ آپ سے ڈر رہے ہیں۔ کوئی بھی کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو مجھ سے مزدوری کے پیسے لے لیں اور گھر جا کر آرام کریں۔"

"بغیر کام کئے پیسے لے لوں۔ کیوں؟" ناصر کو غصہ آگیا۔

"ہم خوشی سے دے رہے ہیں۔ بلکہ آپ جتنے پیسے مانگیں ہم دینے کو تیار ہیں۔" سپروائزر نے کہا۔

"بھیک دے رہے ہو مجھے۔" ناصر نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔۔ جنگو دادا کی جگہ آپ کو بھتہ دینا چاہتے ہیں۔"

"مجھے نہیں چاہیئے ایسا حرام کا پیسہ۔ سمجھے۔" یہ کہہ کر ناصر پیر پٹکتا ہوا وہاں سے چل دیا اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔

ناصر وہاں سے دوسری سائٹ پر پہنچا۔ تقریباً تمام ہی لوگ ایک دوسرے سے واقف تھے اور مزدوروں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا لیکن یہاں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا گیا اور مزدوروں نے ناصر کو دیکھتے ہی کام چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگ تو قریب ہی رُک گئے اور کچھ بھاگ نکلے۔ یہاں بھی ٹھیکیدار نے ناصر کو وہی پیش کش کی اور کہا" کہ وہ لوگوں کے پیٹ پر لات نہ مارے اور اسے جو کچھ چاہیئے وہ لوگ اس کا ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہیں۔"

ناصر نے کہا کہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے کام کرنے دیا جائے۔ بلا وجہ لوگ بھاگ اس سے خوفزدہ ہیں۔ وہ تو ان کا ساتھی اور مزدور بھائی ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ بے ضرر اور سیدھا سادہ انسان ہے۔"

ناصر کی یقین دہانی لوگوں پر اس لئے اثر انداز نہ ہو سکی ناصر کی قوت و طاقت کا مشاہدہ کیا تھا یا اپنے ساتھیوں سے سنا تھا۔

تھک ہار کر ناصر قریب کے پارک میں ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اس نئی افتاد کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ جنگو دادا کی طرح بھتہ وصول کرنا کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ یہ اس کے مزاج اور فطرت کے خلاف

www.ksars.org

تھا۔ اتنے محیر العقول واقعات کے بعد بھی ناصر یہ ماننے کے لئے ہر گز تیار نہ تھا کہ اس نے تشدد کر کے جنگو دادایا اس کے ساتھیوں پر زیادتی کی ہے لیکن سب لوگ یہی کہہ رہے تھے کہ اس نے جنگو دادا اور اس کے عامی موالیوں کے ہاتھ پیر توڑ ڈالے ہیں۔ پولیس والے بھی یہی الزام لگا رہے تھے۔

اس نے سوچا اسپتال جا کر خود جنگو دادا سے معلوم کرنا چاہیئے کہ اس نے بلاوجہ اس پر کیوں ایسی الزام تراشی کی ہے اور اصل واقعہ کیا ہے ؟۔

ناصر ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ اتفاق سے وہاں پہنچتے پہنچتے ملاقات کا وقت ہو چکا تھا اور جنرل وارڈ میں مریضوں کے اعزا انھیں دیکھنے اور عیادت کرنے کی غرض سے آ جا رہے تھے۔ ناصر بھی لوگوں میں شامل ہو کر جنرل وارڈ میں پہنچ گیا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے جنگو دادا اور اس کے دونوں ساتھی ایک کونے میں بستروں پر لیٹے ہوئے نظر آ گئے۔ ان کے پاس جنگو کے گروہ کے دس بارہ افراد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ ناصر بھی ان کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ ایک ساتھی جنگو سے پوچھ رہا تھا۔

"استاد! کیا سچ مچ وہ کاکڑی ناصر کا بچہ اتنا ہی زور آور تھا۔ میں نہیں مانتا۔"

"تو نہیں مانتا تو میں کیا کروں۔ دیکھ رہا ہے میری حالت اور اپنے ان ہوتے سوتوں کی گت۔" جنگو نے جھنجھلا کر کہا۔

"لیکن وہ تو حوالات میں بند ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے وہاں جا کر۔" دوسرا بدمعاش بولا۔

"اس میں بھی اس کی کوئی چال ہو گی۔ میں تو کہتا ہوں وہ انسان نہیں کوئی جن بھوت ہے۔ انسان میں اتنی طاقت نہیں ہو سکتی۔" جنگو نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

"حوالات سے باہر آنے دو دادا! ہم اسے سمجھ لیں گے۔" پُرجوش لہجے میں ایک بسمعاش بولا۔

"بیٹھا رہ چپ چاپ! بڑا آیا تیس مار خاں۔ تو مجھ سے زیادہ دلاور ہے، چڑی کے غلام۔" جنگو نے اسے ڈانٹا۔

"یہ بات نہیں ہے دادا۔ بس اپنا خون کھول رہا ہے۔"

"اسے ٹھنڈا رکھ۔۔۔۔"

www.ksars.org

ابھی جنگو اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ناصر نے بدمعاشوں کو ہٹاتے ہوئے پیچھے سے سر نکالا۔ سب کی نظر ایک ساتھ ناصر پر پڑی اور پھر وارڈ میں بھگدڑ مچ گئی۔ سارے جیالے نو دو گیارہ ہو گئے۔ جنگو اور اس کے ساتھیوں کے منہ خوف اور حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ بالآخر ناصر نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

"جنگو دادا! سچ سچ بتاؤ۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"

"ناصر بادشاہ!" جنگو نے خوف پر قابو پاتے ہوئے بمشکل کہا۔ "یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو۔"

"اور کس سے پوچھوں؟۔ یہ میرا نام کیوں لیا جا رہا ہے اس سلسلے میں۔۔؟"

"بادشاہ! اب تو مجھ کو معاف کر دو۔ میں کسی قابل بھی نہیں رہ گیا ہوں۔"

'یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔۔؟"

"اب میں کیا بتاؤں ناصر دادا! تم جو کچھ بولو۔ ٹھیک ہے" جنگو نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

ناصر بددل سا ہو کر وہاں سے بھی چلا آیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔ گھر جاتا ہے تو ماں پوچھے گی کہ کام پر کیوں نہیں گیا۔ یہ بات چھپی نہیں رہے گی کہ مجھے کہیں بھی مزدوری نہیں ملتی۔ وہ یہی کچھ سوچتا ہوا ایک پارک میں جا بیٹھا۔

بیٹھے بیٹھے اسے نستور کا خیال ایا۔۔۔ ہو سکتا ہے یہ سب کچھ نستور نے کیا ہو۔ پتہ نہیں کون ہے وہ؟ ناصر نے سوچا۔ جب وہ مجھے حوالات سے چھٹکارا دلا سکتا ہے تو جنگو دادا کو زیر کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ وہ انہی خیالات میں گُم تھا کہ نیم وا آنکھوں سے اس نے نستور کو اپنے قریب بیٹھے دیکھا۔ غنودگی کی کیفیت غیر محسوس طور پر اس پر طاری ہو چکی تھی اس نے سُنا۔

"ناصر! دوستوں سے بدگمانی اچھی بات نہیں ہے۔"

"بدگمانی کی بات نہیں ہے نستور بھائی! میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" ناصر نے کہا۔

"بھائی کہتے ہو اور معکوس خیالات میں بھی بھٹک رہے ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ تمہیں نقصان کیوں کر پہنچاؤں گا۔" نستور بولا

www.ksars.org

"دیکھونا۔ مجھے مزدوری بھی نہیں مل رہی بدنام الگ ہورہاہوں۔"

"فکرنہ کرو، سب ٹھیک ہوجائے گا۔" نستور نے اسے دلاسہ دیا۔

"اچھایہ بتادو مجھ پر یہ بہتان تراشی کابازار کیوں گرم ہے؟لوگ مجھ سے ڈرنے کیوں لگے ہیں؟" ناصر نے پوچھا

"سچے ہیں وہ بھی۔ حالات کی نوعیت سے تم لاعلم ہو۔"

"وہ جو کہہ رہے ہیں، سچ ہے؟؛

"لوگوں نے جو دیکھاہے وہ کہتے ہیں۔" نستور نے بتایا۔

"تم بھی انہی کی سی کہہ رہے ہو نستور بھائی۔"

"فی الحال تم اپنادماغ نہ تھکاؤ۔ آہستہ آہستہ سب کچھ سامنے اجائے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"میری دانست میں توتم بھی کسی معمہ سے کم نہیں ہو۔"

"اچھایہ بتاؤ۔ جب کام نہیں ملے گاتو میں کھاؤں گا کیا،ماں الگ بیمار ہے۔"ناصر نے سر پرڈالتے ہوئے کہا۔

"تم کوکام کی ضرورت ہی کیاہے۔ کھاؤپیواور عیش کرو۔۔"نستوبولا

"اب تم بھی میر امذاق اُڑارہے ہو۔" ناصر نے کہا۔

"بات مذاق کی نہیں، میں سنجیدہ ہوں۔"

"جب مزدوری نہیں ملے گی تواخراجات کہاں سے پورے ہوں گے۔

"دیکھوناصر! ایک بات سنو۔۔ میں چاہتاہوں کہ کچھ دنوں تک تم کوئی سوال کئے بغیر جیسا کہتاہوں اس پر عمل کرتے رہو۔"

"میں سمجھانہیں۔"

"اچھایوں سمجھو تمہیں پیسوں کی ضرورت ہے نا؟"

"وہ توہے۔"

رقم تمہاری جیب میں موجود ہے خرچ کرو۔"

www.ksars.org

"میری جیب میں ؟"ناصر نے غیر یقینی انداز میں کہا اور نستور کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں تمہاری جیب میں اتنی رقم موجود ہے کہ تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہو گی۔ ناصر کے لئے نستور کا یہ پہلا تحفہ ہے۔ آخر دوست ہی تو دوستوں کے کام آتے ہیں۔"نستور نے وضاحت کی۔

ناصر جب غنودگی کی کیفیت سے ہوشیار ہوا تو غیر اختیاری طور پر سب سے پہلے اس نے اپنی جیب کو ٹٹولا۔ جیب میں نوٹوں کی گڈیاں موجود تھیں اسے کچھ دیر پہلے کی ایک ایک بات یاد تھی۔ دہشت کے مارے وہ کانپنے لگا۔ یہ نستور آخر ہے کیا بلا۔۔۔

اس نے جنوں بھوتوں اور جادو گروں کی کہانیاں سُن رکھی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک تو انہی خیالات سے نبرد آزما رہا۔ پھر غیر محسوس طور پر نستور کی باتوں اور ہمدردانہ یقین دہانی نے اپنا اثر دکھایا اور اس نے سوچا جو ہو سو ہو۔ مجھے اپنی ماں کے علاج کے لئے رقم کی ضرورت اور وہ مجھے مل گئی۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی غیبی امداد ہو۔ نستور کوئی فرشتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو میری مفلسی پر رحم آگیا ہو اور اس نے نستور کے ذریعے میری مدد کی ہو۔

ناصر نے چوں چرا کے خیالات سے دماغ کو آزاد کیا اور ماں کی دوا لینے کے لئے ڈرگ اسٹوڑ کی طرف چل دیا اس نے وہاں سے دوائیاں خریدیں۔۔۔ماں کے لئے گرم کپڑے لئے۔۔ کچھ پھل خریدے اور لدا پھندا گھر میں داخل ہوا اور ماں کی صورت دیکھتے ہی ٹھٹھک کر رہ گیا۔ ماں کے چہرے پر مامتا کے جذبات کی بجائے غصے اور نفرت کے سائے منڈلا رہے تھے اس نے گرجدار آواز میں کہا۔

"آ گئے تم! کہیں ڈوب نہیں مرے!"

ناصر کے ہاتھ سے تمام پیکٹ اس طرح چھوٹ کر گرے جیسے کسی نے پیچھے سے اسے دھکا دے دیا ہو۔ وہ سناٹے میں آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر پیار کرنے والی ماں یک بیک ایسا انداز اختیار کرے گی۔ ضرور کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اس کی ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔۔۔!

www.ksars.org

راستے بھر وہ کیا کیا سوچتا ہوا آیا تھا۔ ماں کے لئے گرم کمبل، کپڑے، پھل اور مٹھائی جو کچھ اس کی سمجھ میں آیا خرید لایا تھا اور سب سے زیادہ خوشی تو اسے ماں کی دوا خرید کر ہوئی تھی۔ کل تک جو نسخہ اس کی جیب میں پڑا ہوا اس کی مفلسی کا منہ چڑا رہا تھا وہی نسخہ آج اس نے دکاندار کو دیتے ہوئے کتنے فخر سے کہا تھا یہ سب دوائیں پیک کر دو۔

دکاندار نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے یقینی کے انداز میں پوچھا تھا کہ آیا وہ یہ سب دوائیاں خریدنا چاہتا ہے یا پہلے کی طرح صرف قیمت پوچھ رہا ہے اور دکاندار کو اس وقت تک یقین نہیں آیا جب تک ناصر نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر اسے دکھانہ دی۔

کپڑوں کی دکان پر بھی اس کی خستہ حالت کی وجہ سے سیل مین نے معمولی قسم کے کپڑے دکھانے پر اکتفا کیا لیکن ناصر جب دکان سے نیچے اترا تو اس کی بغل میں اس دکان میں سجے ہوئے مہنگے ترین کمبل اور کپڑوں کے بنڈل دبے ہوئے تھے۔ پھر وہ پھل والے کے پاس آیا تھا۔ مٹھائی بھی خریدی تھی اور یہ سب چیزیں اُٹھائے راستے بھر منصوبے بناتا آیا تھا کہ ماں یہ سب چیزیں دیکھ کتنی خوش ہو گی۔ لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی ماں کی ڈانٹ نے اس کے ہوش اُڑا دیئے۔ وہ تمام سامان کو دروازے کے پاس ہی چھوڑ کر ماں کی طرف لپکا۔

"کیا بات ہے ماں۔ تو اتنی برہم کیوں ہے؟" ناصر نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"مجھ سے پوچھ رہا ہے برہمی کا سبب۔۔۔ تجھے پتہ نہیں۔۔" ماں نے غضب ناک آواز میں پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ ماں۔ میں تو سیدھا بازار سے آ رہا ہوں۔" ناصر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"تُو گھر سے مزدوری کرنے نکلا تھا۔ سچ بتا پھر کام پر کیوں نہیں گیا اور یہ اتنا سامان کہاں سے لایا ہے؟" یہ کہتے ہی ماں کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا اور وہ کھانستے کھانستے بے حال ہو گئی۔ ناصر بھی پریشان ہو گیا۔

اس نے آگے بڑھ کر ماں کو سنبھالنا چاہا۔ لیکن کھانسی کے دورے کے باوجود ماں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بولی۔

"خبردار! جو میرے قریب آیا!"

"آخر کچھ بتائے گی بھی۔۔۔ میں کیا کیا ہے میرا قصور کیا ہے؟"

www.ksars.org

"میں نے تجھ سے پوچھا تھا، یہ سب کچھ کہاں سے لایا ہے۔ تو نے جواب نہیں دیا۔"

"ماں! میرا ایک دوست ہے اس نے دیا ہے یہ سب کچھ۔" ناصر بھاگ کر دروازے کی طرف گیا اور سارے پیکٹ اُٹھا کر ماں کے قدموں میں ڈال دیئے۔

"یہ دیکھ ماں! تیرے لئے گرم کمبل لایا ہوں۔ کپڑے اور پھل اور دوائی بھی۔۔۔۔"

"اس کا مطلب ہے محلے والیاں سچ کہہ رہی تھیں میں نگوڑی ماری بلاوجہ ان سے لڑتی رہی۔" ماں نے کہا

"کیا سچ کہہ رہی تھیں محلے والیاں؟ کچھ بتا تو سہی۔۔۔" ناصر نے جزبز ہوتے ہوئے کہا۔ وہ جھنجھلا گیا تھا۔

"سب کے باپ بھائی اور گھر والے، اپنے گھروں میں آکر چھپ گئے ہیں تیرے ڈر سے۔۔۔ یہ لچھن کب سے ہوئے تیرے۔۔۔۔ سُنا ہے تو نے کچھ لوگوں کے ہاتھ پیر بھی توڑ دیئے ہیں اور پولیس تھانے بھی ہو آیا ہے۔۔۔ کہہ دے جھوٹ بکتے ہیں سب محلے والے۔ تو نے لوگوں کو نہیں لُوٹا اور تجھے یہ بڑا خزانہ مل گیا ہے۔۔۔ماں نے کہا۔

"ہاں ہاں جھوٹ بکتے ہیں سارے کے سارے میں نے کسی کو نہیں مارا۔ کسی کو نہیں لوٹا۔۔۔"

ناصر نے بھنا کر اپنے بال نوچ لئے۔

ناصر کی جنونی کیفیت دیکھ کر ماں نے جوش مارا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ ہو سکتا ہے ناصر ہی سچا ہو لیکن پورا محلہ بھی جھوٹا نہیں ہو سکتا پھر اس کا دماغ مزید پریشان ہو گیا اور بے بسی کے عالم میں اس نے رونا شروع کر دیا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ ناصر نے وہیں سے پوچھا۔

"کون ہے؟"

"پولیس۔۔۔۔" آواز آئی۔

"ہائے اللہ! اب کیا ہو گا؟" ماں نے پریشان ہو کر کہا۔

www.ksars.org

"کچھ نہیں ہو گا ماں۔ تُو بیٹھ آرام سے۔ میں دیکھتا ہوں۔۔۔" ناصر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور ماں نے محسوس کیا کہ ناصر کے تیور اچانک بدل گئے۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا اور دروازہ کی طرف بڑھ گیا دروازہ کھولا تو سامنے دو سپاہی کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے؟" ناصر نے سرد لہجے میں پوچھا۔ ناصر کا چہرہ جذبات سے عاری تھا اور وہ ایک مرتبہ پھر ہیولے کا معمول بن چکا تھا۔ سپاہیوں نے اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں جھکالیں۔ پھر کچھ وقفے کے بعد ایک بولا۔

"آپ کو ایس پی صاحب نے بلایا ہے!۔"

"کیوں بلایا ہے؟" ناصر کے لہجے میں تحکمانہ گونج تھی۔

"ہمیں۔۔۔ن۔۔۔۔ نہیں معلوم!" دونوں سپاہی ایک ساتھ بولے۔

"ہوں۔۔۔۔ چلو اسے بھی دیکھ لوں۔۔" ناصر غرایا۔

دونوں سپاہی فرض کے آگے مجبور تھے ورنہ ان کے دماغ میں اس قدر اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ ان کا بس چلتا تو بگٹٹ بھاگ لیتے۔ دونوں بادل نخواستہ ڈرتے ہوئے ناصر کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی ملزم کو نہیں لے جارہے اپنے کسی افسر کے ساتھ معمول ماتحتوں کی طرح چل رہے ہوں۔ دونوں کی زبانیں گنگ اور حلق خشک ہو رہے تھے۔ محلے کے مختلف گھروں میں سے لوگ اپنے دروازوں میں جھری پیدا کر کے ان کو دیکھ رہے تھے۔ ان میں عورتیں مرد بوڑھے بچے سبھی شامل تھے اور ہر گھر میں ناصر ہی کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ لیکن ناصر ان تمام باتوں سے بے نیاز ہیولے کا معمول بنا اکڑتا ہوا سپاٹ نظروں سے ہر ایک چیز کو دیکھتا چلا جارہا تھا۔ وہ لوگ محلے سے نکل کر بازار کے علاقے میں آ گئے۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ گہما گہمی اپنے عروج پر تھی انسانوں کا ایک سیلاب نفسا نفسی کے عالم میں رواں رواں تھا۔ یہاں پہنچتے ہی وہ لوگوں کی توجہ سے آزاد ہو گئے اور سپاہیوں کی وہ کیفیت بھی ختم ہو گئی جو عام لوگوں کے تاثر سے ان پر خوف کے علاوہ ایک احساس کمتری اور ندامت کا سبب تھی پھر انہوں نے یہ بھی

www.ksars.org

دیکھ لیا تھا کہ ناصر چپ چاپ ان کے آگے آگے تھا تھانے کی طرف ہی جارہا ہے تھا۔ کم از کم ایس پی کے عتاب سے تو وہ بچ ہی جائیں گے۔

ناصر اس وقت مکمل طور پر ہیولے کے تصرف میں تھا۔ اس کے پورے جسم میں ایک قسم کی برقی رو دوڑ رہی تھی اور اسے اپنی قوت و طاقت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ بیک وقت ناصر اور عامر کے ذہن سے سوچ رہا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سوچ تو عامر کے ہیولے کی تھی مگر ناصر کا ذہن فلیمی پردہ کی طرح اسکرین بنا ہوا تھا۔

عامر کا ہیولا یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ناصر نے نستور جن سے رابطہ قائم کر لیا تو میرے لئے مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ عامر کا ہیولا مکمل طور پر ناصر کے جسم پر اپنا تصرف چاہتا تھا۔ یہ امر بھی اس کے لئے غور طلب تھا کہ صرف ایک بار رابطہ قائم کرنے کے بعد نستور جانے کہاں جا چھپا تھا۔ اس نے اپنے طور پر اسے تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ ہیولے نے سوچا۔ دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ناصر کو اپنے لئے تیار کرنا چاہیئے۔

ناصر نے سڑک پار کی اور فٹ پاتھ پر دکانوں کے شوکیسوں پر نظر ڈالتا ہو چلتا رہا۔ ایک عظیم الشان سویٹ میٹ مارٹ کے شوکیس میں مٹھائیاں سجی ہوئی تھیں۔ ناصر نے شیشے کے مضبوط شوکیس کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ اس طرح شوکیس میں داخل ہو گیا جیسے وہ شیشے کا بنا ہوا نہ ہو، ہوا کا بنا ہوا ہو۔ ناصر نے اس میں سے برفی کا ایک ٹکڑا اُٹھایا اور منہ میں رکھ لیا۔

سپاہی جو ناصر کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے یہ بوالعجبی دیکھ کر چیخیں مار کر یوں پلٹ کر بھاگے جیسے دوسری مرتبہ ناصر کا ہاتھ ان کی گردنوں کی طرف بڑھے گا۔

سپاہیوں کی چیخیں سُن کر راہ گیر متوجہ تو ہوئے لیکن ناصر چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ سب لوگ سپاہیوں کی طرف دیکھتے رہے جو گرتے پڑتے لوگوں سے ٹکراتے ہوئے تھوڑی دیر میں نظروں سے اوجھل ہو گئے اور ناصر تھانے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تھانے پہنچ کر ناصر سیدھا ایس پی کے کمرے میں داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی ایس پی اور انچارج تھانہ غیر ارادی طور پر کھڑے ہو گئے۔

www.ksars.org

"تم نے مجھے بلایا تھا۔؟" ناصر نے ایس پی سے پوچھا۔

"آیئے ناصر صاحب! تشریف رکھئے۔۔۔" ایس پی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔!

"میں یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا۔ صرف یہ معلوم کرنے کے لئے آیا ہوں کہ رات والی تنبیہ کافی نہیں تھی کیا۔۔؟

"جی۔۔۔جی۔۔۔کافی تھی۔" ایس پی نے جواب دیا۔

"پھر کیوں مجھے بار بار تنگ کیا جارہا ہے۔" ناصر نے شعلہ بار نظروں سے ایس پی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ناصر صاحب! ہم بھی مجبور ہیں۔ ہم نے اپنے عوام اپنی قوم اور اپنی حکومت کے سامنے حلف اُٹھایا ہے کہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی کو نافذ کریں گے اب یہ معاملہ کم از کم میرے فہم و ادراک سے بالاتر ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ کسی بھی قسم کے خوف یا دباؤ میں آکر میں اس فریضے سے دستبردار ہو جاؤں۔۔۔ آپ اگر کوئی مافوق الفطرت ہستی ہیں تو آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ میں اپنے پیشے سے مخلص اور دیانت دار ہوں۔ میں راشی نہیں ہوں۔۔۔ مفاد پرست نہیں ہوں۔ عوام کی حفاظت اور قانون کا نفاذ ہمیشہ میرے پیشِ نظر رہا ہے لہٰذا آپ کو یہ جان لینا چاہیئے کہ جب تک میری تسلی نہیں ہو گی میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔" ایس پی نے سنبھالا لے کر کہا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔ناصر تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔۔۔" ایس پی صاحب! آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور پوچھیئے!"

"جنگو کو جانتے ہیں آپ! وہ کیسا آدمی تھا؟"

www.ksars.org

"میں جانتا ہوں اور سمجھ رہا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس کے بارے میں بھی میں خاص طور پر تحقیقات کر رہا ہوں۔ لیکن ہمارے سامنے ایک مجبوری رہتی ہے۔ ہمارا سارا قانون شہادتوں کے بل بوتے پر آگے بڑھتا ہے۔ جنگو جیسے بدمعاش قانون کی لچک سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور سادہ لوح عوام اس معاملے میں ہم سے تعاون نہیں کرتے۔ بغیر واضح شہادت کے ہم کسی شہری پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے اب آپ کے معاملے میں ہمارے پاس شہادتیں موجود ہیں اس صورت میں ہمارے لئے آپ کی گرفتاری کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ پولیس کا کام آپ کو سزا دینا نہیں ہے، ہمارا کام تو شہادتوں کی بنیاد پر آپ کو عدالت کے سامنے پیش کر دینا ہے۔ اب یہ عدالت کا کام ہے کہ آپ کو سزا دے یا بری کر دے۔"

"آپ مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟ ناصر نے پوچھا

"جی ہاں چونکہ آپ کے خلاف رپورٹ درج ہو چکی ہے اور آپ نے سرکاری تحویل سے دو مرتبہ فرار ہونے کا جرم بھی کیا ہے۔ اس طرح اب آپ پر تین جرائم کے سلسلے میں مقدمہ چلے گا۔"

"کون چلائے گا مجھ پر مقدمہ۔۔۔۔ اور کون مجھے گرفتار کرے گا؟۔ اس وقت بھی میں اپنی مرضی سے یہاں آیا ہوں صرف تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ ہوش میں آجاؤ۔۔ یہ آخری وارننگ ہے۔۔" یہ کہہ کر ناصر تیزی سے باہر جانے کے لئے مُڑا۔ اسی وقت ایس پی نے اپنے سروس ریوالور کا رُخ ناصر کی طرف کر کے للکارا۔

"رُک جاؤ ناصر! اگر تم نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو میں گولی چلانے میں دریغ نہیں کروں گا اور اطمینان رکھو میرا نشانہ بہت سچا ہے۔"

"اچھا!" ناصر نے خشمگیں نگاہوں سے ایس پی کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں سے تیز روشنی کی چندھیا دینے والی لہر ایس پی کے ریوالور کی جانب برق کی طرح لپکی اور ریوالور چشم زدن میں انگارے کی طرح سُرخ ہو گیا اور جتنی دیر میں ایس پی ریوالور کو چھوڑے اس کا ہاتھ بھی جل کر رہ گیا۔ ایس پی کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی اور ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ ایس پی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر دہرا ہو گیا۔

www.ksars.org

ناصر نے حقارت سے ایس پی کی طرف دیکھا اور باہر نکل آیا۔۔ ناصر نے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک طرف چل پڑا۔ یکایک اسے نستور کا خیال آیا اور ساتھ ہی اس کے کانوں میں گھنگھروؤں کی آواز آئی۔

"چھن چھن۔۔۔۔چھنا چھن۔۔۔۔ چھن۔۔۔"

ناصر نے نظر دوڑائی لیکن اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔ ناصر کے ذہن میں عامر کے ہیولے نے سوچا۔

"ہو نہ ہو یہ نستور ہو گا۔ لیکن ہیولے کے سامنے ایک دبیز پردے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ناصر نے آگے بڑھنے کے لئے قدم اُٹھایا ہی تھا کہ اسے اپنے عقب میں نقرئی ہنسی کی آواز آئی۔

"ہی ہی ہی۔۔۔۔ہی ہی۔۔۔ چھن۔۔۔ چھن۔۔"

ناصر پلٹ کر غرایا۔۔"کون ہے؟"

اس کے قریب ہی ایک بانکی سجیلی، البیلی حسینہ سولہ سنگھار کئے گھنگھرو چھنکار ہی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے ناصر مبہوت ہو گیا۔ حسن کی چکا چوند نے اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب کیفیت طاری کر دی تھی وہ تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی بھول گیا کہ وہ ناصر ہے یا عامر کا ہیولا۔ وارفتگی کے عالم میں وہ اس کا فرادا حسینہ کی طرف بڑھا لیکن جوں ہی اس کے قریب پہنچا وہ پھول کی ٹہنی کی طرح لہرائی اور خوشبو کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

"یہ ہوئی نا بات!" ناصر بڑبڑایا۔

"جی نہیں! اسے کہتے ہیں سیر کو سوا سیر!۔"

اس بار یہ آواز ناصر کو بالکل اپنے قریب سے سنائی دی اور وہ سچ مچ بوکھلا کر رہ گیا۔

"کون ہو تم؟"

"بڑے پہلوان ہو، پہچانو تو جانیں؟" نقرئی آواز نے کہا۔

"سامنے آ کر بات کرو۔" ناصر جھنجھلا گیا۔

"تم بھی تو ہمیشہ سامنے نہیں آتے۔" اس مرتبہ آواز دور سے آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ناصر نے آواز کی سمت نظر دوڑائی تو کافی فاصلے پر وہی حسینہ کھڑی ہوئی اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ ناصر پلک جھپکتے

www.ksars.org

ہی اس مقام پر کھڑا تھا جہاں ایک لمحہ پیشتر حسینہ کھڑی غمزے دکھا رہی تھی۔ مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ ناصر چکرا کر رہ گیا۔ یہ کون سی مخلوق ہے جو مجھے بھی نظر نہیں آتی۔ ناصر نے سوچا۔

کچھ دیر اسی مقام پر ناصر تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا۔ گھنگھروؤں کی آواز پھر سنائی دی اور اچانک ہیولے نے ناصر کا جسم چھوڑ دیا۔

ناصر اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر وہ خالی خالی نظروں سے خلا میں گھورتا رہا پھر۔۔۔ پریشان ہو کر بولا۔

”خدایا! یہ سب کیا ہے۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں بازار میں کیا کر رہا ہوں۔ میں تو گھر میں ماں کے پاس تھا۔ ماں ناراض ہو رہی تھی۔ پھر اس کی نگاہ سامنے فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئی سائیں بابا پر پڑی اور غیر اختیاری طور پر اس کے قدم سائیں بابا کی طرف اُٹھ گئے۔ ناصر چپ جا کر سائیں بابا کے قریب مؤدب بیٹھ گیا۔ سائیں بابا جھوم رہے تھے اور ان کے منہ سے بار بار۔۔۔ ہُو ہُو۔۔۔ ہُو ہُو۔۔۔۔ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سائیں بابا اُٹھے اور ناصر کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

”چلا گیا۔۔۔ بھاگ گیا۔۔۔ تُو بھی بھاگ جا۔۔۔ ہُو ہُو۔۔۔۔ اور سائیں بابا خود بھی اُٹھ کر ایک طرف تیزی سے روانہ ہو گئے۔ ناصر کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور وہ مژمردہ سا گھر کی طرف چل دیا۔

عامر کا ہیولا دوسری مرتبہ سائیں بابا سے ڈر کر بھاگا تھا۔ سائیں بابا کو دیکھ کر اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اُٹھتی تھی اور سوائے فرار کے اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ رہ جاتا تھا۔ اس وقت بھی اسے اس عجیب و غریب ہستی کے تعاقب میں جانے کی بجائے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا تھا۔ عامر کا ہیولا فضا میں بھٹک رہا تھا کہ قریب ہی اس موہنی صورت کے بدن کی چاندنی چٹکی۔ ہیولا اس کی طرف لپکا۔ وہ کھکھلا کر ہنسی۔ صبر کا دامن ہیولے کے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا تھا۔ وہ اس پر چھا جانا چاہتا تھا۔ لیکن حسینہ بھی کسی چھلاوے سے کم نہیں تھی۔ کبھی سامنے آتی۔ کبھی غائب ہو جاتی۔ کافی دیر تک دونوں کے درمیان اسی طرح آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ آخر زچ ہو کر عامر نے پکارا۔

www.ksars.org

"سنو تو سہی!"

"تھک گئے اتنی جلدی؟" اسے جواب ملا۔

"یہ بات نہیں۔ تم آخر ہو کیا بلا؟"

"میں۔۔۔۔۔!تمہاری آرزو ہوں۔ تمہاری خواہش ہوں!"

"پھر مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟"

"بھاگ نہیں رہی۔ اپنے لئے جسم تلاش کر رہی ہوں۔"

"اوہ! سمجھا۔۔۔تو یہ بات ہے!"

"تم اپنا جسم کہاں چھوڑ آئے ہو۔ میرا اشارہ تمہارے معمول کی طرف ہے"

"اسے تو میں جب چاہوں حاصل کر سکتا ہوں۔"

"اچھا تو ٹھہر و یہیں۔۔۔" وہ قتالہ بولی

"ایک خوبصورت کار ان کے قریب آ کر رکی جس میں ایک حسین و جمیل عورت بیٹھی ہوئی تھی۔

ہیولے نے دیکھا کہ جس شعلہ جوالہ کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں تک پہنچا تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس عورت کے جسم میں حلول کر گئی اور پھر بصد ناز ادا وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر آئی۔ اس نے عامر کے ہیولے کو اشارہ کیا۔

"آجاؤ اب! خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

"میں ابھی تک الجھن کا شکار ہوں۔ تم نے اپنے بارے میں وضاحت نہیں کی۔"

"ہو جائے گی وضاحت بھی۔ وہ دیکھو تمہارا معمول ناصر جا رہا ہے۔ چلو جسم حاصل کر و پہلے۔ پھر باتیں ہوں گی۔"

"ابھی آیا۔۔۔" ہیولے نے کہا اور ناصر کے جسم میں حلول کر گیا۔

"ناصر کے دماغ کو جھٹکا لگا اور پھر وہ پلٹ کر اس حسینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب آ بھی جاؤ۔۔۔" وہ بولی۔

www.ksars.org

ناصر نے اپنے جسم کی طرف دیکھا اور مطمئن ہو کر کار کی طرف بڑھا، حسینہ اتنی دیر میں اسٹیئرنگ وہیل سنبھال چکی تھی جیسے ہی ناصر اس کے برابر بیٹھا حسینہ نے کار اسٹارٹ کر کے گیئر لگایا اور گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔

"اب بتاؤ کون ہو تم؟" ناصر نے پوچھا

"اس وقت تو میں شکیلہ ہوں سیٹھ ادریس کی اکلوتی صاحبزادی۔ روشن خیال، پڑھی لکھی۔۔۔ الٹرا ماڈرن۔۔۔ اور تم میرے بہت سے بوائے فرینڈز میں سے ایک ہو۔۔۔ فی الحال میں اپنی سہیلی سلمیٰ کے یہاں ایک تقریب میں شرکت کے لئے جا رہی ہوں"

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہوا۔ یہ سب تو میں بھی جانتا ہوں۔ معلوم وہ کرنا چاہتا ہوں جو نہیں جانتا۔" ناصر نے کہا۔

"وہ بھی معلوم ہو جائے گا، جلدی کیا ہے۔۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔" شکیلہ نے زیرِلب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں۔۔۔ اگر تمہاری اور میری جنس ایک ہوتی تو میں ضرور تمہارے بارے میں خود جان لیتا جیسے شکیلہ کے بارے میں جان گیا ہوں۔" ناصر نے جواز پیش کیا۔

"تمہارا اندازہ ٹھیک ہے میں اس وقت تفریح کے موڈ میں ہوں۔ وہ دیکھو سلمیٰ کی کوٹھی آ گئی ہے، تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ حالات کو خود ہی ہینڈل کر سکتے ہو۔۔ بور مت کرنا۔۔۔" شکیلہ نے بتایا۔

کوٹھی کے باہر کافی تعداد میں کاریں پہلے ہی سے موجود تھیں شکیلہ نے بھی ان کے برابر اپنی کار کھڑی کر کے انجن بند کر دیا۔ اگنیشن سے چابی نکال کر اس نے ایک ناقدانہ نظر ناصر پر ڈالی۔ شکیلہ نے ناصر کے کپڑے دیکھ کر منہ بنایا اور اپنی نگاہیں ناصر پر مرکوز کر دیں چند لمحے اسے دیکھتی رہی اسی دوران میں ناصر کے بدن پر بہترین تراش کا سوٹ نمودار ہو گیا۔ شکیلہ مسکرائی۔

www.ksars.org

ناصر نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور بولا۔" اس بات پر تو میں خود بھی قادر ہوں۔ یہ دیکھو۔۔"دوسرے لمحے ناصر کا سوٹ تبدیل ہو چکا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ اسی لئے تو تمہارا انتخاب کیا ہے ہاں تم ایک پڑھے لکھے نوجوان ہو۔ یہاں زیادہ اپنی شعبدہ بازی نہ دکھانا۔ یہ ماحول پہلے ہی کافی ماڈرن ہے۔ انسانوں نے اخلاقی میدان میں کافی لمبی چھلانگیں لگالی ہیں۔"

دونوں کار سے اُترے اور کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ ایک بڑے ہال میں مہمان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے باوردی بیرے مشروبات کی ٹرے لئے گھوم رہے تھے۔ کچھ لوگ صوفوں پر بیٹھے ہوئے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ معدودے چند ادھ اُدھر ٹہل رہے تھے۔ سلمٰی نے والہانہ انداز میں بڑھ کر شکیلہ کا استقبال کیا۔

"ہیلو! سویٹ شکیلہ اتنی دیر کر دی تم نے۔۔"شکیلہ نے شکایت کی۔

"بھئی ناصر نے دیر کرادی۔ شکیلہ نے جواب دیا۔

"تعارف تو کراؤ۔۔ یہ کیا بدذوقی ہے۔۔۔"سلمٰی کن اکھیوں سے ناصر کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ہینڈسم ہیں، امیر ہیں اور میرے دوست ہیں۔ بس یا اور کراؤں تعارف۔۔۔ شکیلہ اٹھلائی۔

"ہیر! ہیر!۔۔۔" قریب ہی کھڑے ہوئے دو نوجوانوں نے تالی بجا کر کہا۔۔"کیا خوب تعارف کرایا ہے۔ جواب نہیں شکیلہ ڈارلنگ تمہارا بھی۔"

"شکریہ! آپ دونوں تو اپنی چونچ بند ہی رکھیں۔۔"

"ہاں بھئی اب ہماری دال کہاں گلے گی۔ چلو ساجد کوئی اور گھر دیکھیں۔ شاید کوئی گھاس ڈال دے۔"عمران نے کہا۔

شکیلہ نے ناصر کا ہاتھ تھاما اور لڑکے لڑکیوں کے ایک جھرمٹ کی طرف چل دی۔

"ان دونوں کی مرمت نہ کردوں تھوڑی سی۔"ناصر بولا

www.ksars.org

"پاگل ہو گئے ہو۔ یہاں یہ سب چلتا ہے۔ انجوائے کرو جیلسی نہیں چلے گی۔۔" شکیلہ نے سمجھایا۔۔

"تمہاری مرضی۔۔ ورنہ میرا خیال تھا انھیں سبق ابھی مل جانا چاہیئے۔" ناصر نے پُر خیال انداز میں کہا۔

"پھر انھیں لڑکیوں کے ایک گروپ نے گھیر لیا اسی وقت رقص کے لئے آرکسٹرا نے دھن بدلی اور ہال کی روشنیاں مدھم کر دی گئیں۔

ناصر نے بھی شکیلہ کا ہاتھ تھام کر مدھم موسیقی کی تال پر رقص کرنا شروع کیا۔ شکیلہ نے بھی ایک ماہر فن رقاصہ کیطرح اسٹیپ لینے شروع کر دیئے۔

"کتنا خواب ناک ماحول ہے ناصر!" شکیلہ نے رقص کے دوران لہراتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔۔۔۔ہے تو!" ناصر بولا۔

"جی چاہتا ہے کہ وقت تھم جائے۔!" شکیلہ نے پلکیں اُٹھا کر مخمور نظروں سے ناصر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کہو تو روک دوں وقت کو یہیں، اسی طرح" ناصر نے پیش کش کی۔

"جناب عالی آپ ہیں کہاں جب تک یہ مادی جسم ہمارے تصرف میں ہیں وقت کو روکا نہیں جا سکتا۔۔" شکیلہ نے جتایا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک کہا تم نے!"

"وہ رات گئے تک تقریب کے ہنگاموں میں کھوئے رہے۔ فقرے بازیاں اور آوازیں کسے جاتے رہے۔ ناؤنوش کا سلسلہ جاری رہا اور آدھی رات کے بعد سب لوگ آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگے۔ شکیلہ اور ناصر بھی سلمٰی سے اجازت لے کر اپنی کار میں آبیٹھے دوسرے مہمانوں کی طرح ان کے چہرے تھکن اور بے زاری سے مبرا تھے دونوں ہی تازہ دم معلوم ہو رہے تھے۔ جبکہ باقی تمام مہمانوں کی حالت بالکل بر عکس تھی۔

www.ksars.org

"سڑک پر آتے ہی شکیلہ نے گیئر بدل کر ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا اور کار فراٹے بھرنے لگی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" ناصر نے پوچھا۔

"ساحل سمندر کی طرف چلیں گے۔ موسم بڑا خوشگوار ہے۔۔۔۔!"

"تمہارے چہیتے، عمران اور ساجد، تعاقب کر رہے ہیں۔۔"

"کرنے دو۔ تفریح رہے گی۔۔!" شکیلہ نے جواب دیا۔

"میں نے اسی لئے کہا تھا کہ وہیں سبق دے دیا جائے لیکن تم نے منع کر دیا۔" ناصر نے لاپرواہی سے کہا۔

"روز روز جسم بدلنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ تم تو پاگل ہو۔ اگر ناصر کا جسم حاصل کرنے کے بعد صبر سے کام لیتے تو یہ دشواریاں پیش نہ آتیں۔"

"کیسی دشواریاں؟ میری صحت پر ان کا کیا اثر پڑے گا!"

"اثر تو ضرور پڑے گا۔ دیکھ لینا۔"

ان کی کار آبادی کو کافی پیچھے چھوڑ آئی تھی اب دور دور تک کسی متنفس کا سامنا ہونے کا خدشہ نہیں تھا۔ ساحل کیطرف جانے والی سیدھی سڑک پر ایک دوسری کا کی بتیاں نظر آرہی تھیں۔ دونوں کاروں کا فاصلہ بتدریج کم ہو رہا تھا اور ساحل نزدیک آتا جا رہا تھا۔ ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔

"گاڑی یہیں روک لو۔۔" ناصر نے کہا

"اَیز یُو لائیک!" شکیلہ نے جواب دے کر رفتار کم کرنی شروع کر دی اتنی دیر میں پیچھے آنے والی کار سر پر آ پہنچی۔ اور اس میں بیٹھے ہوئے افراد نے ہارن دینا شروع کر دیا۔

شکیلہ نے سڑک کے ایک طرف کار روک لی۔ پیچھے آنے والی گاڑی نے ان کو اوور ٹیک کر کے ان کے قریب ہی بریک لگائے۔

www.ksars.org

"ہیلو شکیلہ ڈارلنگ! کہاں کا ارادہ ہے!" عمران نے ہانک لگائی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر آیا۔ دوسری طرف کے دروازے سے ساجد نے بھی اترنے میں دیر نہیں لگائی۔ دونوں شکیلہ کی گاڑی کی طرف بڑھے۔

شکیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ ناصر دروازہ کھول کر نیچے اُتر آیا اور کار کے کھلے دروازے سے ٹیک لگا کر دونوں کا انتظار کرنے لگا۔ دونوں ایک لمحہ کے لئے رُکے۔ پھر ساجد بولا۔

"اے مسٹر! کیا ارادے ہیں۔ خاموشی سے چلتے پھرتے نظر آؤ ورنہ۔۔۔۔۔۔"

"بولو۔۔۔ بولو۔۔۔ ورنہ کیا؟" ناصر کے لہجہ میں کوئی ایسی بات تھی جس نے دونوں کو چونکا دیا۔

'شکیلہ! اپنے اس نئے دوست کو بتا دو ہم کیسے آدمی ہیں؟" عمران نے شکیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم خود ہی بتا دو نا۔۔۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا گھوڑا بھی موجود ہے اور میدان بھی مناسب ہے۔"

"پھر گلہ نہ کرنا کہ نیا دوست خرچ ہو گیا۔۔" یہ کہہ کر عمران نے جیب سے چاقو نکال لیا اور ڈرامائی انداز میں چاقو کھول کر حملے کے لئ تیار ہو گیا۔ ساجد الگ کھڑا ہو کر تماشا دیکھنے لگا۔

" شاباش! یہ ہوئی نا مردانگی۔ اسے راستے سے ہٹا کر مجھ تک پہنچ جاؤ ڈارلنگ، پھر میں تمہاری ہوں۔۔" شکیلہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"ابھی لو۔۔۔" عمران نے محتاط انداز میں ایک قدم آگے بڑھایا۔

"ناصر انتہائی پُرسکون انداز میں اسی طرح گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ اس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔ عمران نے دو ایک مرتبہ چاقو دائیں سے بائیں ہاتھ میں لیا اور پھر تھوڑا سا جھک کر چیتے کی سی تیزی سے ناصر پر چھلانگ لگا دی۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ عمرا سیدھا ناصر پر آ پڑتا۔ لیکن ایک دفعہ اچھلنے کے بعد وہ سر کے بل زمین پر آیا اور چاقو سینے تک عمران کی اپنی پنڈلی میں پیوست ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے کسی نے اسے ذبح کر دیا ہو۔

www.ksars.org

اس کی آنکھوں کے اگے تارے ناچنے لگے اور وہ درد کی شدت سے بے ہوش ہو گیا۔ اس کی پنڈلی سے خون کا فوارہ ابلنے لگا۔

ناصر تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوا تھا ساجد پھٹی پھٹی نگاہوں سے کبھی عمرا اور کبھی ناصر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"چلو اب تم کوشش کرو۔" ناصر کی آواز میں درندگی تھی۔

ساجد تھوڑی دیر سکتے کے عالم میں کھڑا رہا پھر جیسے پلٹ کر بھاگنے لگا" ناصر نے ایک ہی جست میں اسے جالیا اور اس کی گردن دبوچ کر بولا۔

"اپنے دوست کو کہاں چھوڑے جارہے ہو اسے بھی ساتھ لیتے جاؤ۔"

ساجد کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں ارہا تھا کہ کیا کرے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن"

ساجد کو عمران کے پاس چھوڑ کر ناصر کار کی طرف آیا اور اندر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

"کیا کہنے ہیں۔" شکیلہ اترائی

"چلو بس اتنا ہی کافی ہے۔" ناصر نے پُر سکون لہجے میں کہا اور شکیلہ نے گاڑی آگے بڑھادی۔

ناصر کی ماں محلے کے ایک ایک گھر میں فریاد لے کر گئی کہ لوگو! میرے بچے کو پولیس والے پکڑ کر لے گئے ہیں کوئی مجھ دکھیاری کی مدد کرو۔ لیکن کسی نے بھی اس کی آہ وزاری پر کان نہ دھرا، ہر طرف سے اسی قسم کا جواب ملا کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

www.ksars.org

تھک ہار کر خود ہی پوچھتی پچھاتی تھانے پہنچ گئی ڈیوٹی پر موجود سپہیوں نے دریافت حال کے بعد اسے انچارج کے پاس پہنچادیا۔ انچارج کو جب معلوم ہوا کہ ناصر کی ماں آئی تو وہ اس سے انتہائی احترام سے پیش ایا۔ پوچھنے پر انچارج تھانہ نے تمام واقعات ناصر کی ماں کے گوش گزار کر دیئے۔ اور یہ بھی بتایا کہ ناصر اب اشتہاری مجرم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور اس جو سب بڑا جرم سرزد ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ڈیوٹی پر موجود ایک سرکاری افسر پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا ہے۔ ناصر کی ماں نے جب یہ حالات سُنے تو وہ اس صدمے کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی، انچارج نے اسے ہسپتال بھجوادیا اور اس خیال سے وہاں پہرہ بھی لگو دیا کہ ناصر بہر صورت ماں کو دیکھنے ضرور آئے گا۔ یہ کیس اب باقاعدہ طور پر پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا تھا اور یہ تمام کاروائی انچارج نے اسی محکمہ کے سربراہ کی ایما پر کی تھی۔

شکیلہ اور ناصر کے چلے جانے کے بعد ساجد نے ہمت کر کے عمران کی پنڈلی میں سے چاقو بمشکل تمام نکالا اور اپنا مفلر اس کی پنڈلی پر خون بند کرنے کے لئے باندھ دیا۔ اس کا دماغ ماؤف تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ عمران کو چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو جائے لیکن پھر دوستی اور پُرانی رفاقت آڑے آئی۔ اس نے کسی نہ کسی طرح عمران کو گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا اور سیدھا شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کافی گزر چکی تھی لیکن پھر بھی عمران کے لے کر ہسپتال پہنچ گیا۔ اس وقفے میں اس نے سارا لائحہ عمل سوچ لیا تھا۔ اس طرح اس کے دوست کی جان بھی بچ جاتی اور اس حرافہ شکیلہ اور اس کے نئے بوائے فرینڈ کو قرار واقعی سزا بھی مل جاتی۔ اس نے ایمر جنسی کاؤنٹر پر جا کر عمران کا معائنہ کرایا اور ڈیوٹی پر موجود پولیس آفیسر کو رپورٹ بھی درج کرادی کہ سیٹھ ادریس کی لڑکی اور اس کے دوست نے عمران کو زخمی کیا اور ساجد کو زود کوب کر کے ویرانے میں چھوڑ گئے۔

ڈیوٹی پر موجود افسر نے کافی جرح کی ساجد اور عمران اتنے گئے گزرے تھے جو ایک لڑکی اور ایک نوجون سے مار کھا گئے۔

اس کے جواب میں ساجد نے بتایا کہ وہ دونوں مسلح تھے اور ہم لوگ نہتے۔ ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔

www.ksars.org

بہر صورت عمران کو ابتدائی طبی امداد بہم پہنچا کر اور رپورٹ درج کرانے کے بعد ساجد اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف شکیلہ اور ناصر ساحل سمندر پر کافی دیر تک موسم سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اور مستقبل کے پروگرام بناتے رہے۔ جب ان دونوں کا سیر و تفریح سے دل بھر گیا تو کار میں بیٹھ کر واپس ہو گئے۔

کوئی ڈھائی بجے کا عمل ہو گا جب دونوں سیٹھ ادریس کی کوٹھی میں داخل ہوئے، گاڑی کو گیراج میں بند کر کے شکیلہ ناصر کا ہاتھ تھامے اپنے کمرے میں پہنچی۔ سوئچ آن کرتے ہی دونوں چونک کر اچھل پڑے۔

سامنے آرام کرسی پر نستور بیٹھا انھیں سپاٹ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

www.ksars.org

وہ دونوں نستور کو دیکھ سکتے تھے۔ لیکن اگر کوئی اور شخص ہوتا تو وہ نستور کی موجودگی سے بے خبر ہی رہتا۔ ناصر اور شکیلہ رقص کے بعد سمندر کے کنارے تفریح سے فارغ ہو کر اب اپنے ذہنوں میں رنگین خیالوں کی دنیا آباد کئے واپس آئے تھے۔ یہ ایک رات جو اب شکیلہ کی شاندار اور خواب آلود خواب گاہ میں نہایت تیز رفتاری کے ساتھ صبح کے دھندلکوں میں بدلنے جارہی تھی اور انہی چند لمحوں کو ان دونوں نے لازوال بنانا تھا۔

مگر خواب گاہ کی طلسمی فضا میں نستور کی موجودگی نے ایک ناخوشگوار صورتِ حال پیدا کر دی تھی بالکل یوں جیسے آپ صحنِ چمن میں گلگشت کے بعد کسی بدرو کی طرف جانکلیں اور ذہنی انبساط کی ساری کیفیت غارت ہو جائے۔

ناصر کے ذہن نے گھنٹیوں کی وہی مانوس آواز سُنی۔ نستور کی دنیا کی آواز۔۔اس دنیا سے بالکل الگ اور اُسے عالمِ خواب میں لے جانے والی۔ مگر وہ اس وقت اپنے ہیولے کا معمول بنا ہوا تھا اور ادھر کسی آسیبی رُوح نے شکیلہ کو بھی اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔ ناصر نے ان گھنٹیوں کی آواز پر اپنے کان وا کر دیئے۔ اس کے بدن میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوئی جیسے وہ کسی طویل اور تکلیف دہ خواب سے چونکا ہو۔ وہ شکیلہ کے مرمریں بدن کے گرد حمائل بانہوں کو ہٹا کر کھڑکی کے ساتھ بچھی ہوئی آرام کرسی کی جانب بڑھا جہاں نستور بیٹھا ہوا اسے بلا رہا تھا۔

ناصر نیم روشن کمرے میں نستور کے قریب پہنچ جانا چاہتا تھا کہ شکیلہ نے جو اس وقت مسہری پر نیم دراز ہو چکی تھی اسے پوری قوت سے آواز دی "مہربان دوست واپس لوٹ آؤ۔ ہم تم دونوں ایک ہی آگ میں جل رہے ہیں۔ تمہاری توجہ کی مستحق میری ذات ہے۔"

ناصر کو اس آواز میں زیادہ کشش نظر آئی۔ نستور کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے قدم رُک گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا جس کا دعوتِ نظارہ دیتا ہوا جوان بدن ریشم کے ڈھیر کی مانند مسہری پر پڑا ہوا تھا۔ مسہری کے ساتھ چھوٹی سی تپائی پر بائیں جانب مرمر سے تراشیدہ کیوپڈ اور سائیکی کا مجسمہ تھا جو محبت و عشق کی لازوال علامت سمجھا جاتا ہے۔ شکیلہ نے مسہری کی پٹی کے ساتھ لگے ہوئے بٹن کو دبایا اور جنون انگیز موسیقی کی دھنیں کمرے میں گونجنے لگیں۔

ناصر کو اس کی آواز کے سحر نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ پتھر کا ہو گیا تھا اور اپنے دوست نستور سے اس نے اپنا رُخ موڑا اور آکر مسہری پر بے دم ہو کر گر پڑا۔ گھنٹیاں اب بھی اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ موسیقی کی دھنوں کے درمیان وہ انھیں سُن سکتا تھا۔ لیکن ان گھنٹیوں کا مقصد کیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ ان آوازوں کو بھول چکا ہے۔

www.ksars.org

نستور جن اس وقت خود کو بے بس پا رہا تھا۔ اس کی کئی بار کی کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آج ناصر ہیولے کی زد سے نہیں بچ سکے گا۔ کوشش بے سود تھی۔ نستور کے لئے اب اس خلوت گاہ میں مزید بیٹھنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ ناصر کی معصومیت پر افسوس کرتا ہوا وہاں سے جانے کے لئے اُٹھا۔ اس کے اٹھتے ہی شکیلہ نے ایک فاتحانہ قہقہ لگایا۔" آخر تم ہار مان گئے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ آئندہ کبھی ہماری راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش مت کرنا۔

نستور جانتا تھا کہ اس وقت وہ مجبور ہے۔ اس نے ایک قہر آلود نگاہ ان پر ڈالی اور وہاں سے نکل گیا۔ نستور کے جاتے ہی یوں لگنے لگا گویا پورے کمرے کو ابلیسی منظر نے اپنے گرفت میں لے لیا ہے۔

گلی میں دھند لکا تھا۔ جب ناصر نے سارا دن اور ساری رات غائب رہنے کے بعد جا کر دستک دی ماں نے آکر دروازہ کھولا۔ غم واندوہ ناصر کی ماں کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔ آنکھوں میں رات بھر جاگنے اور رونے کے اثرات نمایاں تھے۔ وہ ابھی ابھی مصلے سے اُٹھی تھی۔ ایک طمانیت تو اس کے چہرے پر ناصر کو دیکھتے ہی آگئی کہ اس کا بیٹا زندہ سلامت ہے اور گھر واپس آگیا، رہی بات سارا دن اور ساری رات غائب رہنے کی تو اب اس کے لئے ناصر سے دریافت کرنا بے سود تھا۔ کیونکہ اسے پولیس والوں اور اہلِ محلہ کی زبانی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔

ناصر خود بھی شرمندہ سا کھڑا ہوا تھا۔ دونوں جانب کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد ناصر کی ماں نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ کہا،" ناصر بیٹے! بہت افسوس کی بات ہے۔ ہم غریب ضرور تھے لیکن آج تک ہمارے خاندان کی شرافت پر داغ نہیں لگا تھا۔ یہ دن بھی مجھ بدنصیب کے مقدر میں دیکھنا لکھا تھا کہ تیرا نام پولیس کے اشتہاری مجرموں میں شامل ہو گیا ہے اور گلی محلے کے لوگ تیرے سائے سے بچتے پھر رہے ہیں اور تو اب راتوں کو بھی غائب رہنے لگا ہے۔"

ناصر نے سر جھکائے ہوئے کہا۔" اماں مجھے معاف کر دو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے بیٹے پر کیا بیت رہی ہے۔ میں تو خود پریشان ہوں۔ مگر افسوس کہ میرا دکھ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا اور تو ماں ہو کر بھی میرا دکھ نہیں سمجھ سکتی اور نہ ہی شاید۔۔۔"

اس نے ٹھہر ٹھہر کر الفاظ ادا کرتے ہوئے کہا۔" میں اس کیفیت کے بارے میں کچھ بتا نہیں سکتا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ قوت میرا گلا دبا دے گی۔ اس کے آگے میرا کچھ بس نہیں چلتا۔ ماں! اسوقت میں تیرا بیٹا ناصر نہیں ہوتا۔ میں تو کچھ اور ہی ہوتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

www.ksars.org

ناصر کی ماں بھی بیٹے کے یہ الفاظ سُن کر رونے لگی۔ ماں کے سینے سے الگ ہو کر ناصر نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ماں کے لئے لائی ہوئی دوائیوں کی شیشیاں ابھی تک اسی طرح سربمہر پڑی ہوئی تھیں۔ جو پھل وہ کل ماں کے لئے لے کر آیا تھا وہ بھی باسی ہو گئے تھے اور ماں نے ان میں سے ذرا سا بھی چکھانہ تھا۔ وہ کمبل جسے ناصر دوکان میں سب سے قیمتی کمبل سمجھ کر لایا تھا وہ بھی اسی طرح تھیلے میں بند تھا۔ "ان چیزوں کے لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" اس نے سوچا "مجھ پر جو کیفیت گزر رہی ہے ماں اس سے واقف نہیں ہو سکتی۔ مگر ان چیزوں کے استعمال پر وہ راضی نہیں ہوئی آخر کیوں؟ یہی سبب ہو سکتا ہے کہ ماں سمجھتی ہے کہ ان اشیاء کا حصول اس کے غریب بیٹے کے بس سے باہر ہے۔" یہ سوچ کر اس نے ماں کو جھنجھلائے ہوئے لہجے میں آواز دی اور کہا۔ "ماں! تونے یہ چیزیں ابھی تک نہیں کھائیں، یہ شاندار کمبل ابھی تک تو نے نہیں اوڑھا۔ میں جانتا ہوں کہ تو جنتی بی بی ہے۔ تجھے شک ہو گیا ہے کہ تیرا غریب بیٹا ایسی قیمتی چیزیں نہیں لا سکتا تیرا یہ خیال درست ہے ماں۔ اگر ساری عمر دن رات بھی تیرا بیٹا ناصر خون پسینہ ایک کرتا تو یہ دنیا والے اس کو دو وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کھانے کو نہ دیتے یہ بات سچ ہے مگر اس بات میں بھی جھوٹ نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں میں کہیں سے چرا کر نہیں لایا ہوں انہیں اپنی دکانوں سے خریدا ہے جن کے شوروموں کے باہر سے میں ہمیشہ حسرت و یاس سے تکتا ہوا خالی ہاتھ لوٹ آتا تھا۔ مگر یہ سب چیزیں میں نے پیسے دے کر خریدی ہیں اور اب تیرا بیٹا اس قابل ہے کہ تو جس چیز کی فرمائش کرے، چاہے وہ کتنی ہی قیمتی ہو، وہ لا کر تیرے قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہے۔ یہ روپیہ بھی جس سے میں نے یہ سب چیزیں خریدی ہیں وہ بھی میں نے کسی سیٹھ کی تجوری سے نہیں چرایا تھا۔"

پھر ناصر نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "ماں مجھے نفرت و حقارت سے نہ دیکھ۔ تو بھی کیا دنیا والوں کی طرح ہو گئی ہے جو مجھ پر شک کرتے ہیں؟" اور روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

ناصر تمام دن گھر پر ہی رہا۔ وہ مزدوری کرنے بھی نہیں گیا۔ ابھی اس کے پاس نستور کی دی ہوئی خاصی رقم موجود تھی۔ وہ از خود تھانے نہیں جانا چاہتا تھا اور اس انتظار میں گھر میں ہی رہا کہ اگر پولیس اب بھی اسے ملزم سمجھتی ہے تو وہ آ کر اسے گرفتار کرے۔ اس نے یہ رقم ماں کو دے دی تھی تاکہ اگر پولیس اسے گرفتار کر کے لے بھی جائے تو اس کی والدہ کو خرچ کی تنگی نہ ہو اور اسے محلے والوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ مگر پولیس تو شاید اس کے گھر کا راستہ ہی بھول گئی تھی۔ ناصر سارے دن پلنگ پر لیٹا ہوا اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں رہا۔ ناصر اور اس کی ماں کے درمیان بھی بہت کم کسی موضوع پر کوئی گفتگو ہوئی۔

www.ksars.org

شکیلہ اپنی خواب گاہ میں محوِ استراحت تھی۔ خادمہ دوبار چائے لے کر آئی مگر شکیلہ کو سوتا ہوا دیکھ کر واپس چلی گئی۔ کوٹھی کے چوکیدار نے اسے بتایا تھا کہ رات بیگم صاحبہ کے ساتھ کوئی آدمی بھی آیا تھا جو صبح سویرے ہی واپس چلا گیا۔ خادمہ شکیلہ کی ہم راز تھی وہ جانتی تھی کہ شکیلہ کے کون کون دوست ہیں۔ اس کا کہاں کہاں آنا جانا ہے۔ پارٹیوں اور ڈانس سے رات گئے واپسی بھی شکیلہ کا معمول تھا۔ لیکن اس سے پہلے وہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کو اپنے گھر پر نہیں لائی تھی۔ اس نے چوکیدار سے کہا بھی کہ شاید یہ اس کا وہم ہو مگر چوکیدار نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی ایک آدمی بیگم صاحبہ کی گاڑی میں ان کے ہمراہ آیا تھا۔

دن کافی چڑھ آیا تھا۔ ابھی نہ جانے کب تک شکیلہ محوِ خواب رہتی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے اس کو بیدار کیا۔ فون اُٹھایا تو دوسری جانب اس کی سہیلی بول رہی تھی جس کے گھر رات وہ پارٹی میں مدعو تھی۔ سہیلی کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔ اس نے شکیلہ سے اس کی خیریت دریافت کی تو شکیلہ نے بڑے رومانی انداز میں جواب دیا ”ڈارلنگ! تم نے تو جگا دیا۔ میں تو ابھی تک رات کی پارٹی میں موجود تھی۔ بہت مزہ رہا رات!“

”ہاں، مگر میں نے تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لئے فون کیا تھا۔“

”اس کرم فرمائی کا بہت بہت شکریہ بھئی! مگر یہ صبح ہی صبح خیریت دریافت کرنے کا خیال کیوں آیا؟

ارے بھئی! میں کوئی بچی تو نہیں ہوں جو کہیں کھو جاتی، پھر ڈرائیونگ میں بھی ماہر ہوں۔“

”بہت خوب! تم تو یوں بن رہی ہو جیسے تمہیں کچھ پتہ ہی نہیں!“

”مذاق مت کرو ڈارلنگ! کہہ تو رہی ہوں کہ بس سیدھی پارٹی سے گھر آ کر سو گئی اور اب تک سو رہی تھی۔“ شکیلہ نے جواب دیا۔

دوسری طرف چند ثانیوں تک خاموشی رہی۔ پھر سہیلی بولی۔ ”ڈیر شکیلہ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھ سے چھپا رہی ہو“

”کیا چھپا رہی ہوں بھئی؟“

”جی ہاں! مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ تم اپنے جس بوائے فرینڈ کے ساتھ رات پارٹی میں آئی تھیں، اس کے ساتھ پھر ساحل سمندر پر گئی تھیں اور تمہارے اس بوائے فرینڈ نے ساجد کو چاقو سے زخمی کر دیا اور اب اس بے چارے کو کئی ٹانکے آئے ہیں۔“

www.ksars.org

"کیا بک رہی ہو؟" "کون بوائے فرینڈ؟ میں تو کسی کے ساتھ ساحلِ سمندر پر نہیں گئی، نہ ہی ساجد اور عمران سے میرا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔"

شکیلہ نے ٹیلیفون بند کیا۔ ہاتھ منہ دھویا اور شب خوابی کا لباس اتار کر دوسرا لباس پہنا۔ اتنے میں اس کی خادمہ ناشتہ لے کر آگئی۔ وہ پریشان بھی تھی۔ مگر بار بار اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آتا تھا کہ ممکن ہے اس کی سہیلی اس سے مذاق کر رہی ہو۔ بہر حال وہ اس کے پاس جا کر اس تردد کو دور کرنا چاہتی تھی۔

سہیلی کے گھر پہنچ کر اس کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس نے ساجد اور عمران کو بھی بلا لیا تھا اور ساجد کی پنڈلی پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے چہروں سے شکیلہ کے خلاف نفرت اور غصہ نمایاں تھا۔ شکیلہ کی سہیلی ان دونوں کو سمجھا رہی تھی "بھئی اس میں ہم عورتوں کا کیا قصور ہے۔ شکیلہ بے چاری تو بالکل بے قصور ہے۔ تم مرد لوگ ہی رقابت اور حسد میں آپے سے باہر ہو جاتے ہو۔ آخر تم لوگوں نے شکیلہ اور اس کے بوائے فرینڈ کا تعاقب ہی کیوں کیا تھا؟"

ساجد کہہ رہا تھا "محترم خواتین! سب سے زیادہ تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ میں حملہ آور ہو رہا تھا تو وہ نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ گو اس وقت کافی اندھیرا تھا لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے چاقو کا وار بچانے کے لئے کوئی مزاحمت نہ کی۔ پھر میں حیران ہوں کہ آخر میرے اپنے ہاتھ سے میری پنڈلی میں چاقو کس طرح گھستا چلا گیا۔ اگر وہ آدمی دوبارہ شکیلہ کے ساتھ ملے تو میں اس کی شاگردی قبول کر لوں۔ ایسے اچھوتے وار تو جوڈو کراٹے کے ماہرین بھی نہ جانتے ہوں گے۔"

"چلو چھوڑو ان باتوں کو۔" شکیلہ کی سہیلی بولی۔

"اگر وہ تمہیں کسی پارٹی میں ملے تو تم اپنا حساب چکا سکتے ہو۔"

شکیلہ جواب تک ان باتوں کو سن رہی تھی آخر غصے میں پھٹ پڑی۔ "تم لوگوں نے یقیناً میرے خلاف کوئی سازش کر لی ہے۔ میں کہہ رہی ہوں کہ میرے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا اور نہ ہی میں اس کے ساتھ ساحلِ سمندر پر گئی تھی۔ میں تو اپنے ساتھ کوئی بوائے فرینڈ لے کر پارٹی میں آئی بھی نہیں تھی۔"

مِس شکیلہ! ہم آپ کی شوخی اور حسِ مزاح کے تو ہمیشہ سے قائل تھے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ آپ سفید جھوٹ بولنے اور پھر اس کو سچ ثابت کرنے میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔" ساجد بولا۔

www.ksars.org

شکیلہ غصے میں اُٹھ کر اپنی سہیلی کے گھر سے چلی آئی اور واپس اپنے گھر میں آکر بستر پر دراز ہو گئی وہ بار بار اپنے ذہن پر زور ڈال رہی تھی مگر اس کی آنکھوں کے سامنے اس آدمی کی شبیہ نہیں ابھر رہی تھی جس کے بارے میں اسے بتایا جارہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ رقص کر رہی تھی اور اس کے ساتھ پارٹی کے اختتام کے بعد گھر آگئی تھی۔

شکیلہ کو متفکر اور پریشان دیکھ کر خادمہ نے اس کی پریشانی کا سبب دریافت کیا۔ تو شکیلہ نے اس سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ خادمہ یہ سب سُن کر حیرت میں ڈوب گئی۔ اس کا جواب بھی شکیلہ کے لئے چکرا دینے والا تھا۔ خادمہ نے کہا کہ چوکیدار نے خود دیکھا تھا کہ آپ اپنی کار میں ایک شخص کے ساتھ رات گئے کوٹھی میں داخل ہوئی تھیں اور یہ کہ صبح دم وہ آدمی کوٹھی سے چلا گیا تھا اور شکیلہ خود اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔

خادمہ کی یہ بات اور حیران کن تھی۔ شکیلہ نے سوچا کیا میری ہمراز خادمہ بھی اس سازش میں شریک ہو گئی ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ وہ بار بار اس چہرے کے نقوش کو اپنے حافظے میں روشن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اس میں اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ البتہ ایک دھندلا سا خاکہ ذہن پر نمودار ہوتا تھا اور غائب ہو جاتا تھا۔ جیسے اس نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ ایسا خواب جس کا اثر تو موجود تھا مگر خواب میں دیکھے ہوئے واقعات اور کئے ہوئے اعمال بھول کے خانے میں جا پڑے تھے۔

رات کے کئی پہر گزر چکے تھے۔ ایس پی اپنی خواب گاہ میں ایک کرسی پر متفکر و پریشان حال بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ناصر کے معاملے کو کس طرح سلجھائے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ ناصر کوئی شورہ پشت اور خراب آدمی نہیں تھا اور جب سے آگ کے بدن نے اس کی خواب گاہ آکر اسے دھمکی تھی تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ ناصر کا معاملہ دوسرے مجرموں کے برعکس ہے۔ اسے اپنے ماتحتوں کی اس بات پر اب یقین آنے لگا تھا کہ ناصر یا تو خود عامل ہے یا پھر یہ کسی آسیبی روح کا معمول ہے۔ وہ ان توہمات پر یقین نہیں رکھتا تھا اور شروع شروع میں اس نے ایسی باتوں پر اپنے ماتحتوں کو ڈانٹا ڈپٹا بھی تھا مگر اب وہ ہیولے کی دھمکی سے مرعوب اور خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ناصر کوئی پُراسرار آدمی ہے اور اپنے موکلوں کی مدد سے لوگوں کو خوف زدہ کرتا ہے۔

جب جیل میں سنگین پہرے کے باوجود ناصر کے فرار کی اسے اطلاع ملی تھی تو اس نے سخت کاروائی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر ہیولا کی دھمکی نے اسے فوری طور پر کوئی سخت قدم اُٹھانے سے روک دیا تھا۔ بڑے غور و فکر کر کے اس نے ناصر کو اشتہاری ملزم قرار دینے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں ضروری کاغذات طلب کر لئے اور جب وہ

www.ksars.org

حکمنامے پر دستخط کرنے بیٹھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ارد گرد فضا میں دھواں بھر گیا ہے اور اسے سانس لینا دشوار ہو رہا ہے۔ اس نے دستخط کرنے کے لئے میز پر قلم اُٹھانا چاہا تو اس کے ہاتھ نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے گھبرا کر اپنی بیوی کو آواز دی۔ بیوی بھی اپنے شوہر کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔

اس نے اپنے شوہر کو ناصر کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے روکا۔ ایس پی عجیب کش مکش کے عالم میں تھا۔ ایک طرف پُراسرار غیبی قوت اس کی راہ میں مزاحم تھی اور اس کے فرض کی بجا آوری میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی۔ وہ غیر معمولی اعصاب اور دماغی وجسمانی قوت کا آدمی تھا اس کی ایمان داری، بے خوفی اور اندازِ تفتیش پورے محکمے میں مشہور تھا۔ مگر اس وقت وہ بالکل مجبور ہو گیا تھا۔ بیوی کے سمجھانے بجھانے اور خوف زدہ ہونے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور نرم لہجے میں بولا۔ " جانِ من! تم تو خوامخواہ فکر مند ہو گئی ہو۔ میرے خیال میں شاید میرے اوپر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ میں کاغذ پر دستخط کر لوں تو پھر ابھی جا کر ڈاکٹر سے مشورہ کرتا ہوں۔ تم بالکل فکر نہ کرو اور میرا قلم اُٹھا دو۔"

بیگم نے قلم اُٹھا کر جیسے ہی ایس پی کے ہاتھ میں دیا اس کے پورے جسم میں ایک تیز گرم لہر دوڑ گئی اور اس کی چیخ نکل گئی۔ "اُف میرے خدا! یہ قلم تو آگ کی طرح گرم ہے۔" ایس پی بولا۔

یہ سُن کر بیوی بھی متوحش ہو گئی اور ایس پی کو کرسی سے گھسیٹتی ہوئی کمرے سے باہر لے آئی۔

کمرے سے باہر آ کر جب دونوں کے اوسان بحال ہوئے تو بیگم نے کہا۔ "حیرت ہے۔ میں نے آپ کو جب قلم اُٹھا کر دیا تھا تو وہ بالکل ٹھنڈا تھا۔ آپ نے اسے پکڑتے ہی یوں چھوڑ دیا جیسے قلم نہیں آگ میں تپا ہوا کوئی لوہے کا ٹکڑا ہو۔ میرے خیال میں ضرور کوئی آسیبی چکر ہے تم خوامخواہ اس چکر میں نہ پڑو اور ناصر کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"مگر بیگم! ناصر نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس کو کس طرح آزادی سے گھومتے پھرتے چھوڑا جا سکتا ہے۔ میں اس معاملے کو سلجھائے بغیر آرام سے نہیں بیٹھوں گا چاہے اس میں میری زندگی کو کتنا ہی خطرہ کیوں نہ درپیش ہو۔" ایس پی بولا۔

"سر دست تم ان کاغذات پر دستخط مت کرو۔ ایک دو دن اور سوچ بچار کر لو۔ شاید ناصر خود ہی تھانے پہنچ جائے۔" بیگم نے کہا۔

ایس پی نے بیگم کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ سب میرا واہمہ ہو جو پہلے ہیولے کی شکل میں اور اب ایک اور صورت سے مجھ پر اثر انداز ہوا ہو۔ اصل میں میرے ماتحت ناصر سے بہت خوفزدہ تھے اور انہوں نے شروع ہی سے اسے غیر معمولی قوتوں کا حامل سمجھ لیا تھا اور مجھ سے بھی

www.ksars.org

اپنی بات کی صداقت کے لئے اصرار کرتے رہے۔ شاید لاشعوری طور پر میں نے ان باتوں کے زیادہ گہرے اثرات قبول کر لئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم تجربہ کئے لیتے ہیں۔ آؤ پھر کمرے میں چلتے ہیں۔ تم اس قلم کو دوبارہ چھونا اور میں بھی۔"

واپس کمرے میں جا کر پہلے بیگم نے زمین پر پڑا ہو قلم اپنے ہاتھ میں اُٹھالیا اور اسے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ایس پی نے جیسے ہی قلم ہاتھ میں لینا چاہا تو اسے ایک دم اپنی نگاہوں کے سامنے سُرخ آگ کی مانند روشن وہ ہیولا کھڑا ہوا نظر آیا۔ وہ آتشیں نگاہوں سے ایس پی کو گھور رہا تھا۔ بیگم سے قلم لینے کے لئے ایس پی کا بڑھا ہوا ہاتھ جہاں تھا وہیں رُک گیا اور وہ ساکت و صامت ہیولے کی جانب دیکھنے لگا۔ ایس پی کو اس وقت اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ اس کے ذہن کے کسی دور دراز گوشے سے کوئی آواز کہہ رہی تھی کہ جان بچا کر بھاگ جاؤ مگر آتشیں ہیولے کی موجودگی نے جیسے اسے ہپنٹا ئزڈ کر دیا تھا۔ ایس پی کو یوں کھڑا ہوا دیکھ کر بیگم نے شانہ جھنجھوڑا اور قلم اس کے ہاتھ میں تھمانا چاہا مگر ایس پی کی مُٹھیاں بند تھیں اور وہ پتھر کے بت کی مانند کسی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔ ایک عجیب تیز روشن لکیر اس آتشیں ہیولے سے نکل کر ایس پی کی پیشانی سے ٹکرا رہی تھی۔ اس ٹکرانے سے یوں لگ رہا تھا جیسے ہیولا اس سے گفتگو کر رہا ہو۔ گفتگو کا خاص انداز تھا اور آس پاس کھڑا ہوا کوئی دوسرا شخص نہ تو اس ہیولے کو دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی یہ گفتگو کوئی شخص سن سکتا تھا۔

"ہم نے تمہیں پہلے بھی حکم دیا تھا مگر تم نے حکم عدولی کی ہے۔ آج پھر کان کھول کر سن لو۔ ناصر کا پیچھا چھوڑ دو۔ اس کے خلاف ہر قسم کی کاروائی بند کر دو۔ اس کی گرفتاری کا مقصد ہماری سرگرمیوں میں رکاوٹ ہے۔"

پُراسرار ہیولا یہ حکم دے کر رخصت ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ایس پی کی حالت درست ہوئی۔ وہ خوف زدہ تھا۔ اس نے اپنے دل میں ناصر کے خلاف کاروائی کو سرِ دست ملتوی کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پھیکی سی مسکراہٹ سے اس نے بیگم کے ہاتھ سے قلم لے لیا اور اسے میز پر رکھ دیا۔ بیگم نے جو اب تک اس کے اس رویئے پر حیرت زدہ تھی، سوال کیا۔ "یہ آپ کو یکایک پھر کیا ہو گیا تھا؟"

"مجھے خود کچھ نہیں معلوم بیگم۔۔ لیکن سرِ دست میں نے کسی قسم کی کاروائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

www.ksars.org

ناصر سوچ رہا تھا کہ میں کس طرح اپنی ماں کے دکھ کا جو میری ذات سے پہنچ رہا ہے مداوا کر سکتا ہوں۔ ماں اس کے وجود سے بے نیاز ہو کر مصلّے پر بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ تیزی سے تسبیح کے دانوں کو گن رہے تھے اور ناصر عالمِ محویت میں یکسوئی سے اپنی ماں کے آہستہ آہستہ ہلتے ہوئے لب اور اس کی انگلیوں کی تیز حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ بے چاری ماں۔ میں نے زندگی میں کوئی سکھ نہیں دیا۔ میں اسے زندگی میں کوئی سکھ دے سکتا۔ بھلا اس کا مزدور بیٹا اس کی زندگی میں کیا کام آسکتا ہے۔ اب میں کسی قابل ہوا ہوں اور غیبی طاقت میری مدد کر رہی ہے مگر ماں کو شک ہو گیا ہے کہ میری کمائی ناجائز ہے اور وہ اسی لئے میری لائی ہوئی ہر چیز کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ اس کے ذہن میں خیالات کی بھرمار تھی اور پردہ فلم کی طرح ماضی کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ ایک طویل عرصے تک ڈاکٹروں کے لکھے ہوئے نسخے اس کی جیب میں پڑے پڑے ہی بوسیدہ ہو جاتے تھے مگر ماں اس وقت مجھ سے جتنا خوش تھی آج نہیں ہے۔ آج میں اس کے لئے قیمتی دوا بھی خرید کر لا سکتا ہوں مگر اسے تو وہی غربت کی زندگی پسند ہے اور وہ لوگ پسند ہیں جو دیانت داری کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اسے معلوم نہیں ہے کہ دیانت دار لوگوں کو زندگی میں طرح طرح کی تکالیف اور پریشانیاں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ میری ماں بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہے مگر عبادت وریاضت، نیک نفسی اور دیانت داری کا صلہ سے اس زندگی میں کیا دیا؟ پہلے اس کا مزدور خاوند ٹی بی کا شکار ہو کر مرا۔ اب اس کا بیٹا اپنی جان شدید محنت ومزدوری میں گھلاتا رہا مگر اس کے گھر میں دو وقت کبھی پابندی سے چولھا نہیں جلا۔ ان ہی خیالات میں بھٹکتے بھٹکتے بالآخر وہ سو گیا۔

وہ تھوڑی دیر ہی سویا ہوگا کہ ماں نے جگا دیا۔ وہ اس کے ناشتے کے لئے چائے اور روٹی لے آئی تھی۔ ناصر نے ناشتہ کیا۔ دن نکل آیا تھا۔ صبح کی سنہری دھوپ چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ اس وقت وہ مزدوری کرنے کے لئے ہمیشہ چلا جایا کرتا تھا۔

وہ ناشتے سے فارغ ہوا تو ماں نے جس کے لہجے میں ابھی تک کھچاؤ تھا ناصر سے سوال کیا۔ ”ناصر بیٹے مجھے سچ سچ بتادے ک آخر تو کن چکروں میں پڑ گیا ہے؟ پولیس تیرے پیچھے ہے، محلے والے تجھ سے نالاں اور خوف زدہ ہیں اور گزشتہ رات بھی تو نے باہر گزار دی۔ آخر تجھے کیا ہو گیا ہے؟“

”ماں!۔۔۔“ ناصر نے روہانسا ہو کر جواب دیا۔ ”ماں، تم میری مجبوری کیوں نہیں سمجھتی، میں تیری محبت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بالکل بے قصور ہوں۔ میں نے نہ کسی کو قتل کیا ہے، نہ بے جا تنگ کیا ہے، نہ ہی کسی قسم کی بُری عادت میں گرفتا ہوں۔ بس میں سارا دن اچھا بھلا رہتا ہوں اور پھر یکایک مجھے اپنے اندر تبدیلی رونما نظر

www.ksars.org

آتی ہے۔ میں ناصر نہیں رہتا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے کچھ اور ہو جاتا ہوں، اس کے لئے کسی وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ چند لمحے چند گھنٹے، کبھی کبھی پورا دن یا پوری رات میں کسی آسیب کی گرفت میں آجات ہوں۔ کوئی نادیدہ قوت مجھے اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔"

ماں خاموشی سے ناصر کی باتیں سنتی رہی پھر بولی "جن لوگوں کو آسیبی قوت پکڑ لیتی ہے وہ تو کسی کام کے لیے نہیں رہتے۔ لوگوں کو ان کی ظاہری حالت سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس لحاظ سے تو تو بالکل بھلا چنگا نظر آتا ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ مزدوری تو کرتا نہیں اور نوٹوں کی اتنی موٹی گڈی تو نے کیسے لا کر مجھے دے دی تھی۔

ناصر نے نہایت ملتجیانہ انداز میں کہا۔ "ماں، یقین رکھو کہ تمہارا بیٹا نوٹوں کی یہ گڈیاں نہ تو کہیں سے چرا کر لایا ہے اور نہ ہی جوئے یا سٹے میں حاصل کی ہیں۔ یہ رقم تو مجھے میرے دوست نے دی ہے۔ میرا وہ دوست اس دنیا کی مخلوق نہیں ہے، وہ عام انسانوں کی طرح بھی نہیں۔"

"پھر پولیس کیوں تیرے پیچھے پڑی ہوئی ہے؟ کل ہی پولیس والے نے مجھے آکر بتایا تھا کہ تجھے اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا ہے۔" ماں بولی۔

"ماں! پولیس والوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ انہیں مجھے اشتہاری ملزم قرار دینے میں کسی قسم کی جلدی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ میں تو خود ان کے طلب کرنے پر کئی بار تھانے جا چکا ہوں۔ میرے خلاف بس ایک معمولی سا مقدمہ ہے، محلے کے بدمعاش کی پٹائی کرنے کا۔ یقین جانو کہ اگر وہ نادیدہ قوت میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں نہ تو محلے کے مدمعاش کو مار سکتا تھا اور نہ ہی بار بار جیل کی آہنی سلاخوں نکل کر آسکتا تھا۔ بلکہ اگر تم بھی اپنی ممتا کے جوش سے بے قابو ہو کر تھانے پہنچتی تو تمہاری منت وزاری بھی مجھے رہا نہیں کر سکتی تھی۔ اور شاید میں بھی سزا پا جاتا اور نہ جانے کتنے دن جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنے پر مجبور کر دیا جاتا۔ جب میرے دل میں یہ خیال جاگتا ہے کہ مجھے اب جیل کی کوٹھری سے نکل جانا چاہیے تو وہی قوت میری مدد کو آتی ہے۔ آہنی سلاخوں کو اس دم یوں موڑ ڈالنے کی طاقت مجھ میں پیدا ہو جاتی ہے کہ جس طرح معمولی مکا ہاتھ کی جنبش سے توڑا جا سکتا ہے اور مضبوط تالا میری آنکھ کے ایک اشارے سے ہی کھل جاتا ہے۔"

ماں نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی خوموشی میں حیرانی کا عنصر بھی اب ناصر کی باتیں سُن کر شامل ہو گیا تھا۔ ممکن ہے وہ کسی عجیب وغریب قوت کا شکار ہو گیا ہو۔ مجھے اس کی باتوں سے سچائی کی بو آرہی ہے۔ ماں نے سوچا۔ وہ اسی سوچ میں کھڑی تھی کہ ناصر اتنے میں کمرے کے اندر گیا۔ وہاں اس نے اپنے لائے ہوئے

www.ksars.org

پھل اسی طرح ایک ٹوکری میں رکھے دیکھے۔ پھل تین دن کے باسی ہوگئے تھے۔ ناصر کو بڑا غصہ ایا۔ آخر ماں نے کیوں اب تک ان میں کسی پھل کو چکھا تک نہ تھا وہ جھنجھلایا ہوا واپس ماں کے پاس آیا اور بولا "اماں! تم نے ابھی تک ان پھلوں میں سے کچھ نہیں کھایا؟"

"بیٹے! یہ تیری جائز کمائی سے خریدے ہوئے نہیں ہیں۔ میں ان کو نہیں کھاسکتی۔ کیوں اس عمر میں اپنی آخرت برباد کروں؟"

ناصر اس کی بات سُن کر کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا، آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں ماں! اچھا خیر! جیسی تیری مرضی۔"

ایس پی عجیب ذہنی کش مکش اور خوف کا شکار تھا۔ اس کے ساتھ جو چند غیر معمولی واقعات پیش آ چکے تھے ان کے پیشِ نظر اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ ناصر کے معاملے میں مسئلہ صرف جرم کا ہی نہیں ہے۔ اس بات کی بھی کوئی حیثیت نہیں کہ جرم کی نوعیت معمولی ہے یا بڑی۔ حقیقتاً پولیس والوں کے لئے یہ بات معمولات میں شامل ہے کہ دو مخالف فریق برِ سرِ عام یا گھریلو تنازعہ میں مار پیٹ کی شکایت لے کر آئیں تو ان دونوں کو یا تو گرفتار کرلیا جائے یا پھر باہمی رضامندی سے صلح کرادی جائے مگر ناصر کا معاملہ بالکل برعکس تھا۔ اس سخت پہروں میں نکل جانا، پولیس کے جن جن اہلِ کاروں کا اس سے سابقہ پڑا تھا ان کا ناصر سے خوفزدہ ہونا حیران کن تھا۔ خود دو بار اسے تنبیہ کی جاچکی تھی۔

ناصر کا مسئلہ ایسا تھا کہ جس نے ایس پی کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون غارت کردیا تھا۔ کسی لمحے کو بھی اس کے ذہن سے ناصر کا نام محو نہیں ہو پارہا تھا۔ مختلف کاموں کی انجام دہی کے دوران فائلوں پر ناصر کا چہرہ اسے اپنی طرف چیلنج کرتا ہوا محسوس ہوتا۔ گھریلو معاملات میں بھی اس کی دلچسپی ان چند دنوں میں حیرت انگیز حد تک کم ہو گئی تھی۔ جس کو اس کی چہیتی بیوی اور گھر دوسرے افراد نے بھی محسوس کیا تھا۔ وہ کچھ کھویا کھویا سا رہنے لگا تھا۔ بات کرتے کرتے یکدم خاموش ہوجاتا اور دور خلاؤں میں تکنے لگتا۔

رات کو پلنگ پر لیٹتے ہی اسے پھر ناصر کے بارے میں خیالات کے ہجوم نے آگھیرا۔ وہ مختلف قیاس آرائیاں کرتا رہا اور اس کا ذہن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہونے کے سبب جھنجھلاہٹ اور مایوسی کی وجہ سے شدید کرب میں مبتلا ہو

www.ksars.org

گیا۔ جب سے وہ ناصر کے کیس میں الجھا تھا اس وقت سے وہ شدید اعصابی کھچاؤ اور تھکن کا شکار ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی پوری رات جاگتے ہی گزر جاتی اور اگر لاکھ کوششوں پر کبھی نیندی دیوی اس پر مہربان ہو بھی جاتی تو یہ لمحے عارضی ہی ثابت ہوتے۔

فائلوں سے نظر اُٹھا کر ایس پی نے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی تو رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ ذہنی یکسوئی کے لئے وارات کے اولین حصے سے ہی سرکاری کاغذات دیکھنے میں منہمک رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے اتنی ذہنی محنت کر لی ہے کہ تھکان کے سبب فوری طور پر اسے نیند آجائے گی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے ٹیبل لیمپ بجھایا اور نیلے رنگ کا زیرہ کا بلب روشن کر دیا۔ نیلگوں مدہم روشنی نے کمرے کو خوابناک کیفیت میں تبدیل کر دیا۔ اور وہ جلد ہی سو گیا۔ نہ جانے وہ کتنی دیر سوتا رہا کہ فجر کی اذان کی آواز سُن کر اس کی نیند ٹوٹی اور اسے سونے کے دوران خواب دیکھنے کا احساس ہوا۔ اس قدر کم نیند سونے کے بعد آج اس کی آنکھ جل کھلی مگر اسے روزانہ کی مانند کوئی ناخوشگوار کیفیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ اس کے بجائے وہ خود کو ترو تازہ اور ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا جیسے طویل مدت تک سوتا رہا ہو اور بدن کی تھکن گہری اور طویل نیند نے اُتار ڈالی ہو۔

تب اس نے بکھرے ہوئے خواب کو اپنی ذہن میں یکجا رنا شروع کیا۔ خواب میں ایک شخص نے اسے حکم دیا تھا کہ اسے ناصر کی مدد کرنی چاہیئے۔ وہ غیر معمولی حالات کا شکار ہے۔ ایس پی نے خواب میں ہی حکم دینے والے شخص سے جواباً کہا تھا کہ آخر وہ خود کیوں ناصر کی مدد نہیں کرتا؟ ایک واقعہ ایسا ہو گیا ہے کہ جس کی بنا پر میں ناصر کے قریب نہیں جا سکتا۔ خواب میں دیکھی ہوئی جو جو باتیں اس کے ذہن میں روشن ہوتی جا رہی تھیں اس کے مطابق خواب میں آنے والے نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ جا کر ناصر کو غسل پاکی کا بھی مشورہ دے کیوں کہ ناصر ایک رات خلوت میں رہ چکا ہے۔ ایس پی کو محسوس ہوا کہ حکم دینے والا کوئی غیر مرئی شخص ہے اور اسے اس کے احکامات کو تسلیم کر لینا چاہیئے اور اب یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ یہ غیر مرئی شخص خود ناصر کو جا کر یہ سب کچھ کیوں نہیں کہہ سکتا۔ ناصر جس پراسرار ہیولے کا معمول بنا ہوا تھا وہ اپنی جنسی خواہشات کی آسودگی اس کے جسم کے ذریعے حاصل کر رہا تھا۔ لیکن ایسی صورت میں خود معمول کو کسی کیفیت کا پتہ نہیں چلتا۔ خواب کے آخری لمحوں میں اس غیر مرئی شخصیت نے اسے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا تھا اور یہ کہا تھا کہ وہ اکثر و بیشتر اس کے پاس آتا رہے گا۔ ایسے لمحوں میں وہ اپنی امد کا اعلان ایک مخصوص قسم کی گھنٹیوں کی آواز سے کرے گا جس کو خلوت و جلوت میں صرف وہ خود ہی سن سکے گا اور دوسرے اس کی آواز کی شناخت یا محسوس نہیں کر سکیں گے ایسی صورت میں ایس پی کا فرض ہو گا کہ وہ

www.ksars.org

گھنٹیوں کی آواز سنتے ہی بہت جلد بازی سے کام لیتے ہوئے خود کو کسی تنہا گوشے میں لے جائے گا تاکہ اس غیر مرئی مخلوق سے اس کی ملاقات ہو سکے۔ گھنٹیوں کی یہ آوازیں جب اس نے جاتے ہوئے سنائی تو وہ انتہائی مدھم اور سماعت کو خوشگوار لگنے والی تھیں۔ ان ہی گھنٹیوں کی آواز کے معدوم ہوتے ہی اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔ جاتے ہوئے وہ شخصیت یہ بھی بتا گئی تھی کہ اس کا تعلق جنوں سے ہے اور اس کا نام نستور ہے۔

ایس پی نے اسی وقت اُٹھ کر ناصر کے گھر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے اپنے ماتحت ایس ایچ او کو فون پر فوراً طلب کیا اور اس کی آمد تک شیو کر کے ناشتہ کیا اور جانے کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ایس ایچ او پہنچ گیا۔

"میں اس وقت ناصر کے گھر جانا چاہتا ہوں۔ تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ ناصر کے گھر تک میری رہنمائی کرو۔" ایس پی نے کہا۔

ایس ایچ او نے جواب دیا۔ "بہت بہتر سر! میں حاضر ہوں۔"

چند ثانیوں تک دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ پھر ایس ایچ او نے ایس پی سے کہا۔

"سر! میں ایک انتہائی اہم واقعہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت مجھے جلدی ناصر کے گھر پہنچنا ہے میری واپسی پر دوبارہ آکر بتانا کہ کیا بات ہے۔"

"سر! دراصل اس واقعے کا تعلق بھی میرے خیال میں ناصر سے ہے آپ نے خلافِ معمول مجھے بہت سویرے طلب کیا ہے ورنہ جب میں آپ کی خدمت میں روزانہ کے وقت کے مطابق حاضر ہوتا تو یہ واقعہ بیان کرتا۔"

"اچھا، ایسا ہے تو ابھی بیان کر دو۔" ایس پی نے متفکرانہ انداز میں جواب دیا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ جو واقعہ تم نے سنانے جا رہے ہو اس کا تعلق ناصر سے ہی ہے؟"

سر! میں اس سلسلے میں کوئی ٹھوس ثبوت تو پیش نہیں کر سکتا ویسے جو روداد اور اس واقعے میں ملوث شخص نے بیان کی ہے اس سے میرے شبہ کو تقویت پہنچتی ہے اور یہ واقعہ رات ہی مجھے معلوم ہوا ہے۔"

ای پی ہمہ تن گوش تھا۔ اس کی خاموشی میں واقعہ سننے کی اجازت پوشیدہ تھی۔ ایس ایچ او نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

www.ksars.org

"سر! دراصل رات کوئی دو تین بجے میرے پاس دو نوجوان آئے تھے۔ ان میں سے ایک کو میں ذاتی طور پر بھی جانتا ہوں۔ اس کا نام رضوان ہے اور سوسائٹی کے دولت مند طبقے سے اس کا تعلق ہے۔ ایسے دولت مند افراد راتوں کو دیر تک گھروں سے غائب رہتے ہیں اور ڈانس پارٹیوں اور کلبوں میں راتوں کا بیشتر وقت گزارتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے علم میں بھی ہے رات کے وقت رضوان اپنے دوست کے ہمراہ میرے پاس تھانے آیا تھا۔ وہ دونوں سخت خوف زدہ اور سراسیمہ تھے۔ رضوان کے بیان کے مطابق وہ اپنے کسی دوست کی پارٹی سے واپس آرہا تھا۔ اس رات پارٹی میں شہر کے مشہور سیٹھ رفیق کی بیٹی شکیلہ بھی مدعو تھی۔ اس کے ساتھ ایک اجنبی آدمی، اعلیٰ درجے کے سوٹ میں ملبوس بھی پارٹی میں آیا تھا۔ شکیلہ رفیق پارٹی کے اختتام پر اس اجنبی آدمی کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف گئی۔ رضوان اور اس کے دوست نے بھی ان کا تعاقب کیا۔ اس کا سبب رضوان سے شکیلہ کی بے اعتنائی تھی کیونکہ اس اجنبی آدمی کے ہوتے ہوئے اس نے اپنے پُرانے آشناؤں کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔"

"مگر اس تمام واقعے سے ناصر کا کیا تعلق ہے؟"

ایس پی نے بے چینی سے پوچھا۔ "ناصر تو ایک مزدور پیشہ اور پھٹے پرانے کپڑوں میں رہنے والا شخص ہے۔ شہر کے انتہائی دولت مند آدمی کی بیٹی کے ساتھ اس کی راہ و رسم کیسے ہو سکتی ہے۔ دوسرے جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ سوٹ نہیں پہنتا اور اس بنیادی سبب اس کی معاشی حالت ہے۔"

"سر! آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے۔" ایس ایچ او نے نہایت ادب سے کہا۔ اس اجنبی آدمی کی خوش پاشاکی اور اس کا شکیلہ رفیق کی ہمراہی میں ہونا بہ ظاہر اس بات کی سب سے بڑی تردید کرتا ہے کہ وہ ناصر نہیں ہو سکتا۔ مگر رضوان کے ساتھ جو عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے اس میں اور ناصر سے سرزد ہونے والے واقعات میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔"

"سر! رضوان کا بیان ہے کہ جب وہ اور اس کا ساتھی شکیلہ کی کار کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے شکیلہ سے خود کو نظر انداز کر دیئے جانے پر احتجاج کیا تو شکیلہ نے جواب میں کہا تھا کہ اگر تم مجھے اس سے چھین سکتے ہو تو چھین لو۔ یہ گویا اس کی طرف سے لڑائی کھلی دعوت تھی۔ رضوان کا بیان ہے کہ اس نے ایک لمبا چاقو نکال لیا اور شکیلہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس اجنبی آدمی کو گریبان سے کھینچ کر باہر نکالا مگر اس اجنبی نے کوئی مزاحمت نہ کی اور وہ کار سے باہر نکل کر کار کے سہارے اطمینان سے کھڑا ہو گیا۔ رضوان نے چاقو کا ایک بھرپور وار کیا۔ اس کا بیان ہے کہ

www.ksars.org

یہ وار اتنا شدید تھا کہ چاقو کا پھل سینے میں اتر جانا چاہیئے تھا مگر اس کے برعکس چاقو لوٹ کر رضوان کی پنڈلی میں پیوست ہو گیا۔ جب اس اجنبی نے کوئی مزاحمت ہی کی تھی اور نہ ہی الٹ کر چاقو کا وار کیا تھا یہ خود بہ خود ہوا۔"

"یہ حالت دیکھ کر رضوان کا دوست اور رضوان دونوں سر پر پیر رکھ کے بھاگے۔ رضوان میرے پاس اس واقعہ کی رپورٹ درج کرانے آیا تھا مگر اس نے یہ درخواست کی تھی اس واقعے کی اطلاع پریس کو نہ دی جائے اور نہ شکیلہ رفیق کا نام رپورٹ میں آنے پائے۔ اسی بنا پر میرا خیال ہے کہ وہ اجنبی ناصر ہی ہو سکتا ہے جس کے قابو میں کوئی غیر مرئی قوت ہے۔"

بیان کے آخری حصے ایس پی کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔ اب کچھ کچھ اسے بھی یقین آنے لگا تھا کہ ممکن ہے ناصر ہی کسی روپ میں اس واقعے میں ملوث ہو تاہم ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا ارادہ سادہ لباس میں ناصر کے گھر جانے کا تھا۔

وہ ناصر کے گھر جانے کے لئے اُٹھا ہی تھا کہ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ٹیلی فون اُٹھا کر اس نے بات کی تو معلوم ہوا اک دوسری جانب سے آئی جی پولیس کا سکریٹری بول رہا تھا۔ ہیڈ آفس میں اسی وقت اسے کسی میٹنگ میں طلب کیا گیا تھا۔ اب وہ عجیب شش و پنج کا شکار تھا۔ وقت اتنا کم تھا کہ وہ ناصر کے گھر نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے ایس ایچ اوسے کہا"انسپکٹر! ہم اب ناصر کے گھر نہیں جا سکتے۔ مجھے فوری طور پر ہیڈ افس پہنچنا ہے۔ اب تم واپس جاؤ۔"

انسپکٹر نے جواب دیا۔"جی، اچھا سر! میں خود بھی حیران ہو رہا تھا، سر! کہ آپ ایک معمولی آدمی کے گھر تشریف لے جائیں گے۔ ہمیں حکم دیجئے کہ ہم ناصر کو آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دوں۔"

ایس پی کے چہرے پر خفگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ یوں لگا جیسے اُسے انسپکٹر کی خوشمندانہ بات پسند نہ آئی ہو۔ اس نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "انسپکٹر! اپنے کام سے کام رکھو۔ جیسا کہا جائے ویسا عمل کرو۔ تم ہر آدمی کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چاہتے ہو۔"

انسپکٹر اس غیر متوقع ڈانٹ پر شرمندہ سا ہو گیا اُٹھ کر سیلوٹ کرتے ہوئے جانے کی اجازت طلب کی اور باہر چلا آیا۔

ایس پی ہیڈ آفس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ ایک یورپی ملک کی پولیس کے افسران اعلیٰ کا ایک وفد پاکستان کے دورے پر آیا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ افسران کی ایک میٹنگ تھی اسی میں شرکت کے لئے اسے فی الفور طلب کیا گیا تھا۔ ان گیر ملکی افسران کو موہنجو داڑو اور سندھ کے دوسرے آثار قدیمہ دکھانے جانے والے تھے۔ آئی جی

www.ksars.org

پولیس نے ایس پی کو افسرِ مہمان داری مقرر کیا تھا اور پولیس کے محکمے کی جانب سے اسے اس وفد کی مہمان داری کے فرائض سونپے گئے تھے۔ وفد کو دوپہر کی پرواز سے سفر کرنا تھا۔

جب وہ ہیڈ آفس سے واپس آیا تو گیارہ بج چکے تھے۔ اسے سفر کی تیاری بھی کرنا تھی اور پرواز تین بجے روانہ ہونی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ رات کے خواب میں ملاقات ہونے والی غیر مرئی قوت کا حکم مانے اور آج ہی جا کر ناصر سے ملاقات کرے۔ مگر مشکل ایسی آن پڑی تھی کہ جس سے چھٹکارا پانا نہ صرف یہ کہ آسان نہ تھا بلکہ ناممکن تھا۔ اس تمام عرصے میں وہ بہ مشکل ناصر کے لئے ایک گھنٹہ وقت نکال سکتا تھا۔ مگر اس کا خیال تھا کہ یہ ایک گھنٹہ تو صرف اِدھر اُدھر کی رسمی باتوں میں نکل جائے گا۔ وہ ناصر سے تفصیلی ملاقات کرنا چاہتا تھا خواہ یہ ملاقات تمام دن پر پھیل جائے۔ اس کی بیوی اس کا ضروری سامان پیک کر رہی تھی۔ ایک بار کسی کام کے سلسلے میں آئی تو اس نے اپنے شوہر کو آرام کرسی میں دراز بڑبڑاتے ہوئے کچھ سنا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ تنہائی میں کس سے باتیں ہو رہی ہیں۔؟"

بیوی کے یہ فقرے اسے خواب کے عالم سے نکال کر حقیقی دنیا میں لے آئے تھے۔ "کچھ نہیں، کچھ نہیں، بیگم!" اس نے یوں گھبراتے ہوئے کہا جیسے کوئی شخص چوری کرتا ہوا پکڑا جائے۔ "بس بیگم! اسی ناصر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"ارے بھاڑ میں ڈالو اس ناصر کے بچے کو۔" بیوی نے جل کر کہا۔ "میں تو کہتی ہوں کہ اول تو آپ اس چکر میں نہ پڑیں اور اگر احساسِ فرض آپ کو اتنا زیادہ ہی مجبور کر رہا ہے تو پھر کسی دوسرے ڈویژن میں اپنا تبادلہ کرا لیں۔ تاکہ نہ آپ نامراد کے حلقے میں رہیں گے اور نہ خوا مخواہ کی تفتیش میں اپنے آپ کو ہلکان کریں گے۔"

"نہیں بیگم! یہ بات نہیں ہے۔ یہ کوئی پُراسرار کیس ہے۔ تم چاہے یقین نہ کرو مگر مجھے اب یقین آ چکا ہے۔ آج صبح سویرے میں ناصر کے گھر ہی جانے والا تھا مگر پھر ہیڈ آفس طلب کر لیا گیا۔ میں تمہیں اپنا رات کا خواب بھی نہیں سنا سکا۔ رات مجھے کسی غیر مرئی قوت نے یہ حکم دیا ہے کہ میں ناصر سے مل کر اس کے مسائل کو سمجھنے اور انہیں سلجھانے کی کوشش کروں۔"

"مگر میں تو سمجھتی ہوں کہ ناصر کے پاس کوئی سِفلی علم ہے۔ چونکہ آپ بہ طور خاص اس کے معاملے میں دل چسپی لے رہے ہیں لہٰذا وہ اپنے موکلوں کے ذریعے طرح طرح سے آپ کو پریشان کر رہا ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں آج ہی آپ کے لئے آیت کریمہ کا ختم کراتی ہوں۔ خدا آپ کو محفوظ رکھے۔!"

www.ksars.org

”نہیں بیگم! اس قدر خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے خیال میں ناصر سے میرے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ناصر سے آج ہی ملاقات کرنا ضروری تھی۔ مگر ناگہانی طور پر مجھے باہر جانا پڑرہا ہے خیر، اب جاؤ اور کھانے کے لئے کچھ لے آؤ۔ جانے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے۔“

صبح سویرے ایس پی نے غیر ملکی پولیس وفد کو ہمراہ لے کر موہنجو داڑو کی سیر کرائی۔ موہنجو داڑو اپنے آنے والوں کے سامنے پانچ ہزار سالہ تہذیب کی تاریخ بنا کھڑا تھا۔ دوپہر کے وقت وہ سرکاری ریسٹ ہاؤس میں واپس آئے۔ لنچ تیار تھا اور مہمانوں کے لئے میز پر سجایا جا چکا تھا کہ اتنے میں ایس پی کے کمرے کی کھڑکی پر کسی نے دستک دی۔ دستک کی آواز کے ساتھ ہی ایس پی نے مُڑ کر دیکھا۔ کھڑکی کے شیشے میں سے کسی نوجوان عورت کا ہاتھ نظر آیا۔ اور پھر غائب ہو گیا۔ دستک کی آواز حقیقی تھی مگر وہ وفد کو سیر کراتے ہوئے اتنا تھک چکا تھا کہ اُٹھ کر کھڑکی کھولنا اور دستک دینے والے سے ملنا اسے ناگوار معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے بہ آواز بلند کہا۔ ”میں گیٹ کی طرف سے آؤ۔ کیا کام ہے؟“ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اور پھر دستک ہوئی۔ اب کے دستک کی آواز زیادہ تیز اور مسلسل تھی۔ گویا بلانے والے کو جلدی ہو۔ ایس پی جھنجھلا کر اُٹھا اور تیز تیز قدم اُٹھا کر کھڑکی کے پاس پہنچا۔ کھڑکی کے دونوں پٹ تیزی سے کھول دیئے۔ یہ عمارت کا عقبی حصہ تھا۔ ذرا پرے ہٹ کر چار دیواری تھی۔ مختصر سے صحن میں گھاس لگی ہوئی تھی۔ اور مختصر روشوں پر پھولوں کے پودے ایستادہ تھے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ایک نوجوان خوبصورت عورت کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مسحور کن چمک تھی اور گورے گورے سڈول بانہوں میں سنہری چوڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ عورت کی خوبصورتی کو دیکھ متاثر ہوا مگر پھر حیران بھی ہوا کہ آخر ایک اجنبی عورت کو اس سے کیا ضرورت در پیش آسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ریسٹ ہاؤس کے کسی ملازم کی بیوی ہو یا ممکن ہے ریسٹ ہاؤس کے ملازموں میں سے کسی کی آشنا عورت ہو۔ کئی خیالات اس کے ذہن میں آئے مگر وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ اس عروت کے یاقوت کی طرح تراشیدہ ہونٹ ہلے مگر یہ بات حیران کر دینے والی تھی کہ ان ہونٹوں کے کے باوجود کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ البتہ ان ہونٹوں کے ہلتے ہی ایس پی کے ذہن میں یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپک گیا کہ اس عورت کو کسی نے اس کے لئے کوئی پیغام دے کر بھیجا ہے۔ اس کے ذہن نے یہ بھی کہا کہ اسے موہنجو داڑو کے سب سے اونچے ٹیلے کے عقب میں جانے کو کہا جارہا ہے اور اسی وقت طلب کیا جارہا ہے۔ اس عجیب کیفیت پر کہ اس کا ذہن ان ہلتے ہوئے ہونٹوں کا پیغام سمجھ رہا ہے مگر کان آواز کی سماعت سے محروم تھے۔

www.ksars.org

"میں مہمانوں سے رخصت لے کر آتا ہوں۔" ایس پی نے اس حسین عورت سے کہا۔ اس کی سماعت نے اس کی آواز کو سنا۔ یہ بات اس کے لئے اور تعجب انگیز اور دہشت زدہ کر دینے والی تھی۔

غیر ملکی مہمان لنچ پر اس کا انتظار کر رہے ہوں گے اور میزبان کی حیثیت سے اس کا کھانے کے وقت موجود رہنا ضروری ہے۔ کیا وہ جانے سے انکار کر دے اور اپنا فرضِ منصبی پورا کرے۔ یوں میزبان کے غائب ہو جانے سے پاکستان کے قومی وقار کو شدید دھچکا لگے گا۔ یہ غیر ملکی کیا سوچیں گے۔

کئی سوالات اس کے ذہن میں ائے۔ اس نے واپس لوٹنا چاہا مگر اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اجنبی قوت اس کے ارادے کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ اس کے قدم زمین پر جم سے گئے اور اس نے دوبارہ اس حسین و دل فریب چہرے کی طرف دیکھا۔ جواب میں اس چہرے پر آویزاں دو گہری خوابناک آنکھوں نے اس کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا۔ نہیں نہیں، مجھے مصلحت سے بالاتر ہو کر اس عورت کے کہے پر چلنا چاہیئے۔ ان آنکھوں سے نکلنے والی لہریں اس کے جسم کے روئیں روئیں میں اطاعت و فرماں برداری کے احساس پیدا کر رہی تھیں۔

اس نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی اور اس عورت کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس کی رہنمائی کرتی ہوئی وہ عورت اس طرح سبک خرامی سے چل رہی تھی کہ گویا اس کے پاؤں فضا میں تیرتے جا رہے ہوں۔

مختصر صحن عبور کر ریسٹ ہاؤس کی بلند دیوار تک پہنچنے کے بعد ایس پی رُک گیا۔ اس طرف سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ اس عورت کو بتائے کہ جہاں بھی چلنا ہے مین گیٹ کی راہ سے چلو مگر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ عورت ریسٹ ہاؤس کی بلند دیوار پر نہایت آسانی سے چڑھ گئی اور اسے بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ آخر یہ عورت چاہتی کیا ہے، کون ہے اور یوں چوروں کی طرح دیوار پھلانگ کر باہر جانے کی کیا تُک ہے! مجھے یہ انداز زیب نہیں دیتا۔ میں ایک ذمہ دار گورنمنٹ افسر ہوں۔ یہ سوچ کر ایک بار پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ اسے واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ مگر پھر یہ سوچتے ہی اس کی نگاہیں اس عورت کی جانب بے ساختہ اُٹھ گئیں جو دیوار کے اوپر چڑھ جانے کا اشارہ کیا اور ایک ادائے دلبری کے ساتھ بلاند و بالا دیوار سے اپنے ہاتھ اسے اوپر اُٹھانے کے لئے جھکا دیئے۔ ایس پی نے بے ساختہ ان نرم و نازک پھولوں جیسی بانہوں کو پکڑ لیا اور اس عورت نے نہایت آسانی سے اسے اوپر کھینچ لیا۔

موہنجو داڑو کے آچار ابھی کافی دور تھے۔ نرم ریت پر دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد وہ دونوں موہنجو داڑو کی قدیم بستی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ موہنجو داڑو کے اندر داخل ہو کر وہ عورت سب سے

www.ksars.org

بڑے ٹیلے کی جانب بڑھی۔ سورج اس وقت آگ برسا رہا تھا اور اس وقت وہاں نہ کوئی گائیڈ تھا اور نہ ہی شدید گرمی کی اس دوپہر میں کوئی گشت سیاح موجود تھا۔

ابھی سورج اپنے عروج پر تھا اس لئے ٹیلے کے کسی حصے کی جانب بھی اتنا سایہ نہ تھا کہ وہ اس میں کھڑا ہو جاتا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید عورت اب اس کو کچھ بتائے گی۔ اس نے رومال سے اپنے چہرے پر بہتا ہوا پسینہ پونچھا اور اس عورت سے یہاں تک لانے کا مقصد پوچھنے کے لئے نظریں اُٹھائی ہی تھیں کہ اسے وہ عورت کہیں نظر نہ آئی۔ اس نے آنکھوں کو زور زور سے ملا اور دوبارہ ارد گرد دیکھا مگر وہ عورت غائب ہو چکی تھی۔ یا خدا یہ کیا ماجرا ہے۔ آخر وہ عورت کہاں چلی گئی۔ دوسرے لمحے وہ اضطراب اور بے چینی کے عالم میں ٹیلے کے چاروں طرف اس عورت کی تلاش میں دیوانہ وار بھاگتے ہوئے چکر لگا رہا تھا۔

مگر اسے اس عورت کی تلاش میں ناکامی ہوئی۔ پھر چکر لگانا بند کر کے اس نے جلدی سے ٹیلے کی بلندی کی جانب دو چار قدم بڑھائے تاکہ ذرا بلند ہو کر زیادہ دور تک عورت کی تلاش میں نظر ڈال سکے۔ مگر یوں لگتا تھا کہ جیسے چشم زدن میں اس عورت کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

وہ بہادر اور بے خوف آدمی تھا اور خطرات و مہم جوئی سے پُر پولیس کی زندگی نے اسے اور بھی زیادہ بے خوف اور نڈر بنا دیا تھا۔ اس نے بیسیوں بار جنگلوں میں مجرموں کے تعاقب میں تنہا راتیں گزاری تھیں اور قبرستانوں اور ویرانوں میں بھی پیشہ ورانہ مصروفیات کے سبب اسے تنہا کئی کئی راتیں کاٹنا پڑی تھیں مگر اس قدر شدید خوف کا اسے کبھی سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔

بچپن میں سُنی ہوئی جِنوں اور بھوت پریت کی کہانیاں اسے یاد آ گئیں۔ تو کیا یہ عورت انسان نہیں کوئی چڑیل تھی یا کوئی مفوق الفطرت ہستی تھی۔ مگر اس نے تو اس کے جسم کے لمس کو محسوس کیا تھا۔ اس کے بازوؤں میں زندہ انسانوں کے جسم کا سا لوچ تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ کئی چھلاوے پیریاں انسانوں کے روپ میں آ کر اسی طرح آدمیوں کو دھوکے سے ویرانوں میں لے جاتی ہیں اور ان کا کلیجہ چبا جاتی ہیں۔ یا انہیں اپنا معمول بنا لیتی ہیں اب اسے اپنی حماقات کا احساس ہوا۔ آخر وہ کیوں ایک اجنبی عورت کے اشرے پر یہاں چلا آیا تھا۔ ممکن ہے میں یہاں سے زندہ نہ جا سکوں۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہو سکے گا کہ میرے ساتھ کیا واردات گزری ہے۔ نہ جانے کب کوئی سیاح یا متعلقہ محکمے کے افراد میں سے کوئی آ کر میری لاش دیکھے۔ اسے اپنی محبوب بیوی اور پیارے بچوں کا خیال آیا جو گھر پر اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

www.ksars.org

یہ سارے خیالات تیز رفتار سمندری موجوں کے ریلوں کی صورت میں اس کے ذہن میں چلے آرہے تھے۔ گرمی اور خوف سے اس کا پورا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے اس طرح پسینے میں بھیگ گئے تھے جیسے کسی نے ان پر پانی ڈالا ہو۔ اور ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی بنا پر سنسناہٹ اور چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اپ کو ملامت کر رہا تھا کہ ایک اجنبی عورت کے بلاوے پر آخر وہ کیوں اس سنسنان دوپہر میں ہزاروں برس پرانے ویرانے میں چلا آیا ہے۔ دل کی دھڑکن میں گیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا اور خوف کے سبب سانسوں کی آمد ورفت میں تیزی آگئی تھی۔ اس ویرانے میں تنہا کھڑے ہوئے اس نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ نیلا آسمان چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور انتہائی بلند فضاؤں میں اُڑتی ہوئی کوئی کوئی چیل نظر آرہی تھی۔

وہ وہاں سے فرار ہو جانے کے بارے میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یکا یک اسے اپنے کانوں میں گھنٹیوں کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔ یہ آواز کانوں کو بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے ارد گرد نظر دوڑائی۔ شاید وہی عورت دوبارہ واپس آگئی ہو یا کوئی اور شخص اس کے قریب ہو۔ ایک بار پھر اس نے بلند ٹیلے کے چاروں طرف چکر لگایا مگر کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ اس تنہائی اور سناٹے میں گھنٹیوں کی ان مدہم مدہم آوازوں سے اسے خوف زدہ ہو جانا چاہیئے تھا مگر اس نے عجیب بات محسوس کی کہ جیسے کوئی اپنائیت اور محبت و خلوص سے اسے آوادے رہا ہے۔ اسے اپنانا چاہتا ہے۔ جائے وقوع سے فرار ہونے کا خیال جو ابھی چند لمحے پہلے اس کے دل میں شدت سے پیدا ہوا تھا اب دور ہو چکا تھا اور اس کے بجائے اس میں خود اعتمادی اور بے خوفی جنم لے چکی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ تنہا نہیں بلکہ کسی عزیز دوست یا کسی کی پناہ میں ہے۔

چند ثانیے بعد دوبارہ گھنٹیوں کی وہی مُدھر اور رس میں ڈوبی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ پھر کوئی سرگوشی میں کہہ رہا تھا "گھبراؤ نہیں۔ میں نے تمہیں بلایا تھا۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تم اس سے پہلے مجھ سے اپنی رہائش گاہ پر خواب میں مل چکے ہو۔"

ان الفاظ کے سنتے ہی اسے اپنا وہ خواب یاد آیا جس میں کسی غیر مرئی مخلوق نے اسے ناصر کی مدد کرنے کو کہا تھا۔

"اچھا اچھا! آپ نستور ہیں؟" اس نے خوشی سے لبریز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! میں نستور ہوں۔ مگر تم نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا۔" نستور نے جواب دیا۔

www.ksars.org

"عزیز دوست! ناصر سے ملاقات نہ کرنے میں میری شعوری کوشش کو کوئی دخل نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں سرکاری ملازم ہوں اور مجھے جو حکم دیا گیا میں اس کی تعمیل کے لئے مجبور تھا اور اس سبب سے ناصر کے پاس نہ جاسکا۔" ایس پی نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کل صبح ہر حال میں ناصر سے ملنا چاہیئے۔" نستور نے تحکمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے اس درجہ مجبور نہ کریں۔ میں ایک غیر ملکی وفد کے میزبان کے طور پر سرکاری فرائض کی بجا آوری میں مصروف ہوں اور ابھی تین دن تک میری واپسی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ واپسی کے فوراً بعد سب سے پہلے میں ناصر سے ملنے جاؤں گا۔" ایس پی نے لجاجت آمیز انداز میں کہا۔

"ہمارا فیصلہ قطعی ہے۔" نستور نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "ایسے حالات خود بخود پیدا ہو جائیں گے کہ تمہاری آج شام تک ہی واپسی ممکن ہو جائے گی اور اس کا سبب یہ ہے کہ ناصر کو تمہاری اشد ضرورت ہے۔"

وہ ابھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دوبارہ وہی گھنٹیاں اسی مُدھر اور میٹھے انداز میں بلند ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹیوں کی آواز انا بند ہو گئیں۔ اس کی حیرانی کی حد نہ رہی کہ اب وہی عورت دوبارہ اس کے قریب کھڑی اسی مسحور کن انداز میں اس کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔ پھر وہ چلنے لگی اور اس کے قدم بھی بے ساختہ اس کے پیچھے پیچھے اُٹھنے لگے۔

جس راستے سے وہ عورت اسے لائی تھی اسی راستہ سے واپس ہوتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کی دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ پھر وہ عورت پہلے کی طرح دیوار پر نہایت آسانی سے چڑھ گئی اور اپنے نرم اور سڈول بازوؤں کے سہارے اس نے ایس پی کو دیوار عبور کرائی۔

ریسٹ ہاؤس کا عقبی مختصر سا میدان عبور کر کے اب وہ اسی کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ کمرے کے اندر جا کر اس نے واپس پلٹ کر دیکھا وہ عورت غائب ہو چکی تھی۔ لیکن مہمان ابھی کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کہ جو کچھ ایس پی کے ساتھ پیش آیا اس میں ایک لمحہ بھی نہیں لگا ہے۔

www.ksars.org

کمرے میں واپس آتے ہی اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔ گھڑی میں ابھی تک ایک بج رہا تھا۔ شاید میری گھڑی بند ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہا، اس حسین و خوبصورت ساحرانہ آنکھوں والی عورت کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے گھڑی دیکھی تھی کیوں کہ اسے لنچ کا انتظار تھا۔ غیر ملکی مہمانوں کے کھانے میں دیر نہ ہو جائے اس وقت ایک بجنے میں چند سیکنڈ ہی رہ گئے تھے اور وہ منتظر تھا کہ ریسٹ ہاؤس کا بیرا ابھی آ کر اسے کھانا لگ جانے کی اطلاع دے گا۔ مگر اس اثنا میں وہ اس اجنبی عورت کے زیرِ اثر تقریباً ایک گھنٹہ باہر رہا تھا۔ مگر ابھی تک گھڑی میں ایک ہی بجا تھا۔ قریباً چند سیکنڈوں میں اس قدر دور مقام تک تھا۔ شاید میری گھڑی بند ہو گئی ہے؟ اس نے گھڑی کی سوئیوں کی طرف غور سے دیکھنا شروع کیا مگر اس کی سوئیاں تو برابر حرکت کر رہی تھیں۔ اس نے آگے ہوتی مل کر ایک بار پھر سیکنڈ کی سوئی کی جانب دیکھا واقعی گھڑی چل رہی تھی اور ابھی دن کا ایک ہی بجا تھا۔

وہ باہر نکلا کھانا لگ چکا تھا بس یہ بات ہوئی تھی کہ مہمان اس سے چند سیکنڈ پہلے کھانے کی میز پر پہنچ گئے تھے۔ وہ تیز تیز قدموں ڈائننگ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ آج صبح اس نے لنچ میں بیرا کو نرگسی کوفتوں کی خاص ڈش بنانے کا حکم دیا تھا اس خیال سے کہ غیر ملکی لوگ سُرخ مرچ نہیں کھاتے۔ اس کی بات پر باورچی نے سیاہ مرچ استعمال کی تھی۔ کھانا شروع ہو جانے کے بعد بیرے نے آ کر اس دریافت کیا۔

"سر! کھانے میں کسی چیز کی کمی تو محسوس نہیں ہو رہی ہے۔" باوردی باورچی بھی اس کے ہمراہ آیا تھا۔ ایس پی فرہاد نے نرگسی کوفتے چکھتے ہوئے کھانے کی تعریف کی۔ "تم نے بہت اچھا سالن تیار کیا ہے عمر دین۔"

"جی سر، شکریہ آپ کو پسند آ گیا۔ عمر دین نے مودبانہ انداز میں کہا۔

اب ایس پی فرہاد نے معزز مہمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے تو آپ لوگوں کے لئے مغربی انداز میں کھانے تیار کئے گئے ہیں۔ لیکن میری فرمائش پر باورچی نے اپنے ملک کا ایک خاص سالن تیار کیا ہے۔ آپ لوگ سُرخ مرچ استعمال نہیں کرتے لہٰذا ہم نے آپ کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ آپ اس ڈش کو ضرور چکھیں۔

"اس طرح کی ڈش ہوتی ہے؟" اپنے سامنے لاتے ہوئے ڈونگے میں ایک نظر ڈالتے ہوئے ڈیوڈ نے ایس پی سے پوچھا۔ ابھی فرہاد جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ ڈیوڈ نے ایک اور فقرہ چست کیا۔ "یہ تو سیاہ رنگ کے پانی میں کچھ تیر رہا ہے۔"

www.ksars.org

"آپ کی حوصلہ افزائی کا بہت بہت شکریہ۔" فرہاد نے کھاتے ہوئے کہا۔" مسٹر ڈیوڈ یہ دراصل شاہی کھانا ڈش ہر مغل بادشاہ دستر خوان کی رونق بنتی ہے۔" فرہاد نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "اور یہ مغل کھانا اپنے مہمانوں کو یہ ڈش ضرور کھانے ہوں گے۔ مسٹر ڈیوڈ نے پھر ایک فقرہ چست کیا اس میز پر بیٹھے ہوئے سب محفوظ ہوئے۔ ڈیوڈ اس وفد میں سب سے کم عمر، خوش طبع اور خوش ذوق آدمی تھا۔ اور اپنی انہی باتوں کی بناء پر وہ فرہاد سے زیادہ بے تکلف ہو گیا تھا۔ مگر ان دونوں میں آپس کی بے تکلفی کی ایک اور وجہ بھی تھی اور وہ تھی ڈیوڈ کی روحانی علوم سے دلچسپی۔ اس کے علاوہ وہ دست شناسی میں بھی ماہر تھا۔ اس نے فرہاد کا ہاتھ بھی دیکھا تھا۔ سرسری باتیں تو بتا دی تھیں اور خاص خاص باتوں کو تحریر کر کے اسے ایک لفافے میں بند کر کے دے دیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ اس لفافے کو ڈیوڈ کے واپس اپنے وطن جانے کے بعد ہی فرہاد کھولے گا۔

وفد کے افسر اعلیٰ نے جو عموماً لئے دیئے رہتا تھا۔ مگر کھانے کی میز پر بہت بے تکلف ہو جاتا تھا۔ اور اپنی خوش ذوقی اور اندازِ گفتگو سے سب کو محفوظ کرتا تھا۔ فرہاد سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مسٹر فرہاد آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اس جمہوری دور میں ایک شاہی ڈش کا اہتمام کیا۔ مگر میں اپنے ملک کے کھانوں کا اس قدر عادی ہو گیا ہوں کہ دوسرے ملک میں جا کر وہاں کا صرف پانی ہی پینا پسند کرتا ہوں۔"

"آپ کی مشرق نوازی کا بہت بہت شکریہ سر۔" فرہاد نے کہا۔ آپ کم از کم پانی تو میزبان ملک کا پی لیتے ہیں۔ بعض لوگ تو پانی بھی مغرب سے لاتے ہیں۔"

اس طرح کی پُرتکلف گفتگو کے درمیان سب لوگ لنچ کھا کر فارغ ہو گئے اور اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

فرہاد تھکا ہوا تھا۔ واپس لوٹتے ہی وہ مسہری پر دراز ہو گیا۔ بستر پر لیٹ کر اس نے گھڑی دیکھی، تقریباً دو بج چکے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ گھڑی بالکل صحیح چل رہی ہے۔ یہ بات اسے حیران کیے دے رہی تھی کہ اس کے ریسٹ ہاؤس سے باہر جاتے ہوئے اور ویرانے میں پہنچ کر نستور سے گفتگو کرنے اور پھر واپسی تھی۔ کیا وقت کی نبضیں تھم گئی تھیں۔ یا وہ کسی اور دنیا میں چلا گیا تھا۔ مگر اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ موہنجوداڑو کے سب سے بڑے ٹیلے کی اوٹ میں کھڑا تھا اور جہاں جہاں وہ اس اثنا میں گیا تھا ان تمام اشیاء اور چیزوں کا تعلق اسی ارضی دنیا سے تھا۔ البتہ اس حسین عورت اور نستور کا کردار غیر مرئی ہو سکتا ہے۔ تو کیا اس عالم ارضی میں غیر ارضی مخلوق کے ساتھ گزارنے

www.ksars.org

والے لمحے کیا ارضی وقت کے دائرے سے باہر ہو جاتے ہیں اور پھر نستور کو جس کا تعلق جنات سے ہے، غیر ارضی مخلوق نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ٹھیک ہے کہ جنات انسانی آبادیوں میں نظر نہیں آتے۔ لیکن وہ رہتے تو زمین پر ہی ہیں۔ شاید قدرت نے ان کی پہنچ اور دائرہ کار میں زمین و آسمان کی وسعتوں کو لامحدود کر دیا ہے۔

"مجھے نستور کا حکم ہر حال میں ماننا ہی پڑے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے مگر یہ سب کس طرح ممکن ہو گا۔ ابھی تو اس وفد کا پورے ملک کا دورہ کرنے کا پروگرام ہے اور وہ ان کا افسر مہمان داری سے بھلا میرے لئے کس طرح ممکن ہے کہ میں فوراً جا کر ناصر سے ملوں۔" اس نے پریشان ہو کر کروٹ بدلی۔ معاً اس کمرے میں کسی غیر مئی وجود کا احساس ہوا۔ وہ اس کی موجودگی محسوس کر سکتا تھا۔ مگر اسے نظر نہیں آرہا تھا۔ کمرے میں ایک عجیب دل خوش کُن خوشبو پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی جس سے اس کا مشام جان معطر ہوتا چلا گیا۔ کمرے میں اس خوشبو کی موجودگی نے اس تمام توہمات اور تفکرات دور کر دیئے۔ اس کی تھکن کافور ہو گئی اور ذہن بالکل ہلکا پھلکا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اس خوشبو کے احساس سے بوجھل ہوتی گئیں۔ اس نے نیند میں ہلکی سی سرگوشی سنی کوئی اس سے کہہ رہا تھا کہ اسے فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس سرگوشی کرنے والے کو دیکھنے کی خواہش کے باوجود نیند کی لذت ایسی تھی کہ اس نے آنکھ کھولنے میں بھی تکلف محسوس کی۔

جب وہ سو کر اُٹھا تو بالکل ہشاش بشاش اور تر و تازہ دم تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی شام کی چائے کا وقت ہوا ہی چاہتا تھا۔ جلدی سے اُٹھ کر وہ غسل خانے میں چلا گیا اور نہانے کے بعد لباس پہن کر شام کی چائے مہمانوں کے ساتھ پینے کے لئے ریسٹ ہاؤس کی سبزہ زار کی طرف چل دیا۔ جہاں ملازم نے گارڈن چیئرز لگا دی تھیں۔ اور شام چائے کا انتظار کر رہا تھا۔

اس کا بے تکلف دوست ڈیوڈ بھی لان میں پہنچ چکا تھا لیکن وہ کرسی پر بیٹھنے کی بجائے باقی ساتھیوں کی آمد کا انتظار میں ٹہل رہا تھا۔

"ہیلو ڈیوڈ، گڈ ایوننگ۔"

"ہیلو فرہاد گڈ ایوننگ۔"

ان دونوں کے درمیان رسمی گفتگو ہوئی۔ فرہاد بھی اس کے پاس پہنچ کر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر تک دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی اس کے بعد ڈیوڈ نے سوال کیا۔

"مسٹر فرہاد خیریت تو ہے آپ لنچ پر بہت گھبرائے ہوئے تھے۔"

www.ksars.org

"تو کیا اس وقت میں مطمئن دکھائی دے رہا ہوں۔" فرہاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس وقت آپ کافی ہشاش بشاش نظر آرہے ہیں۔ مگر دوپہر کو آپ واقعتاً بہت پریشان نظر آرہے تھے۔" ڈیوڈ نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں مسٹر ڈیوڈ میں پریشان تو تھا بات ہی ایسی تھی مگر۔۔۔۔اب ایسی کوئی پریشانی محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ مگر بات ہے پریشان کن ہی۔" فرہاد نے ٹھہر ٹھہر کر طویل فقرہ پورا کیا۔

"بہت خوب مسٹر فرہاد، آپ اس وقت بھی مذاق کے موڈ میں ہیں یعنی آپ پریشان بھی ہیں اور نہیں بھی۔" ڈیوڈ نے ہنس کر کہا۔

"دراصل مسٹر ڈیوڈ۔ میں نے جو عجیب و غریب واقعہ ناصر نامی ایک شخص کے بارے میں آپ کو سنایا تھا۔ میں اسی سلسلے میں پریشان ہوں۔" فرہاد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا وہ شخص یہاں تک آکر تمہیں پریشان کر رہا ہے۔" ڈیوڈ نے حیرانی سے دریافت کیا۔

"نہیں نہیں ڈیوڈ۔ جیسا کہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اسے بے قصور سمجھتا ہوں مگر اب مجھے کوئی غیر مرئی طاقت ناصر کی امداد کرنے کا حکم دے رہی ہے۔" فرہاد نے کہا۔

"عجیب بات ہے۔" ڈیوڈ نے کہا

"ہاں ہاں بالکل عجیب و غریب۔۔ لیکن ڈیوڈ تمہارے لئے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے۔ تم تو خود روحانی علوم اور غیر مرئی واقعات سے دلچسپی رکھتے ہو۔"

"نہیں نہیں میرا مقصد یہ نہ تھا میں تو ان چیزوں کا قائل ہوں۔ مجھے خود اپنی زندگی میں ایسے بہت سے عجیب و غریب واقعات سے سابقہ رہا ہے اور میں نے شاید تمہیں بتایا بھی تھا کہ میں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو ایک اخبار میں لکھا بھی تھا۔" ڈیوڈ نے کہا۔

ڈیوڈ کی بات درمیان میں سے کاٹتے ہوئے فرہاد نے کہا۔

"اور تم نے وعدہ بھی کیا ہے کہ جیسے ہی تمہاری یہ کتاب ناشر چھاپے گا تم اس کی ایک کاپی مجھے بھیج دو گے۔"

"بالکل یہ پکا وعدہ ہے مسٹر فرہاد۔"

www.ksars.org

ابھی دونوں کے درمیان باتیں ہو رہی تھیں کہ انہوں نے رالف کو اپنی طرف تیزی سے بھاگتے دیکھا۔ "خیریت تو ہے۔ کیا ہوا؟ ڈیوڈ اور فرہاد کی زبان سے بیک وقت یہ جملہ نکلا۔ وہ گفتگو بھول کر رالف کی طرف دیکھنے لگے۔ جواب ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اس کے چہرے سے خوف اور اضطراب عیاں تھا۔

فرہاد نے بے چینی سے پوچھا۔ "مسٹر رالف کیا بات ہے؟ ڈیوڈ بھی اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

رالف نے اٹک اٹک کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہمارے افسرِ اعلیٰ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ میں انہیں شام کی چائے کے لئے پہنچا تو وہ فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے نہ جانے کب سے۔ اسی وقت میں نے مسٹر ڈیوڈ کو کمرے میں دیکھا وہ موجود نہیں تھے۔ میں نے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے انہیں اُٹھا کر بستر پر لٹا دیا ابتدائی طبی امداد کے نتیجے میں انہیں ہوش آ گیا ہے مگر وہ پیٹ میں شدید درد کی شکایت کر رہے ہیں اور ان کا سر چکرا رہا ہے۔"

یہ خبر سن کر ڈیوڈ بھی پریشان ہو گیا اور وہ رالف کو وہیں چھوڑ کر اپنے افسرِ اعلیٰ کے کمرے کی طرف بھاگا یہ خبر سُن کر ایس پی فرہاد چند لمحوں کے لئے بالکل ساکت و صامت ہو گیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو واقعات رونما ہو چکے تھے ان کی روشنی میں فرہاد کو یقین ہو گیا کہ اسی پر اسرار روحانی قوت نے، جو ناصر کو تباہی سے بچانا چاہتی اس کے واپس پہنچنے کے اسباب فراہم کر دیئے ہیں۔ مگر ابھی اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کس طرح اس غیر ملکی وفد کو واپس کراچی جانے پر آمادہ کر سکے گا۔ گو وہ موہنجو داڑو میں تھے اور انہیں لاڑکانہ پہنچنے میں زیادہ دشواری نہیں ہو گی اور لاڑکانہ پہنچ کر اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے علاج کرایا جا سکتا ہے کیونکہ پیٹ کا درد کسی قدر شدید نوعیت کا کیوں نہ ہو بہر حال اس کے لئے شاید خود غیر ملکی وفد کا سربراہ اپنا دورہ مختصر کرنا پسند نہ کرے گا۔ وہ انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ رالف کی آواز اسے خیالوں کی دور وادیوں سے عالمِ حقیقت میں لے آئی۔

"مسٹر فرہاد آپ ہمارے وفد کے سربراہ کے لئے کیا کر رہے ہیں آپ کس سوچ میں پڑ گئے۔ چلیے انھیں دیکھئے اور جو کچھ ممکن ہو کیجیے۔"

"اوہ۔۔۔ مسٹر۔ آپ پریشان نہ ہوں۔۔ اوہ۔۔۔ وہ کھوئے ہوئے سے انداز میں بے ربط گفتگو کر رہا تھا۔ بہر حال آپ فکر مند نہ ہوں میرے بس میں جو کچھ ہو گا میں ضرور کروں گا ہم اس وقت ڈاکٹر کو بلاتے ہیں دراصل میں یہی سوچ رہا تھا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ خیر آیئے چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر ایس پی فرہاد اسے لئے ہوئے وفد کے سربراہ کے کمرے کی جانب روانہ ہو گیا۔

www.ksars.org

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ ایک دم ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے غیر ملکی ہمراہی نے دروازہ آگے بڑھ کر کھول لینا چاہا مگر اس نے اگے بڑھ کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے ایس پی فرہاد کی جانب دیکھنے لگا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" رالف نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔ آپ کیوں اندر جانا نہیں چاہتے۔"

مگر ایس پی فرہاد نے کوئی جواب نہ دیا وہ اس طرح مبہوت اور ششدر کھڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جیسے وہ عالم خواب میں ہو یا پھر خلا میں کسی انجانی چیز کی جانب بڑے انہاک سے دیکھ رہا ہو۔

رالف نے اس کے اسی عالم محویت میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور دروازہ کھول کر اپنے بیامر افسر اعلیٰ کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایس پی فرہاد اس درجہ خود فراموشی کی حالت میں تھا کہ اسے کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تھوڑی دیر پہلے جو عورت اپنی ساحرانہ آنکھوں کی کشش میں اسے اسیر کر کے موہنجوداڑو کے ویرانے میں لے گئی تھی۔ وہ ابھی ابھی غیر ملکی وفد کے افسر اعلیٰ کے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ اسے وہاں پا کر مبہوت ہو گیا تھا۔ اب وہ اندر کمرے میں جانے کی بجائے اس عورت کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ اس عورت کی پشت اب اس کی جانب تھی۔ لہٰذا وہ اس کے سراپا کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اس قبل وہ اس عورت کی ساحرانہ آنکھوں کی کشش کا اس درجہ اسیر ہو گیا تھا کہ وہ ایک لمحے کو اس کی آنکھوں کے سامنے سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکا تھا مگر اب وہ آگے آگے تھی اس نے دیکھا کہ وہ متناسب جسم اور قد و قامت کی حسین عورت تھی۔ اپنی پوشاک سے وہ کسی معزز اور متمول خاندان کی عورت نظر آ رہی تھی۔ جب سر سے اس کی نگاہیں اس حسین و جمیل عورت کے جسم کا طواف کرتی ہوئی پیروں تک آئیں تو وہ یہ دیکھ کر حیران اور بھونچکارہ گیا کہ اس عورت کے پیروں میں جوتا نہیں تھا۔ وہ ننگے پاؤں چل رہی تھی مگر ایک بات اور زیادہ حیران کن تھی کہ اس کے پیروں کے تلوے بہت زیادہ صاف و شفاف تھے ان پر ذرا بھی گرد نہیں لگی ہوئی تھی اور ان پیروں کی نفاست و نزاکت دیدنی تھی۔ حالانکہ ننگے پیروں چلنے والے عورتوں یا مردوں میں پیروں کی یہ خوبصورتی برقرار نہیں رہتی۔ وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کی بیرونی راہداری میں آ گیا۔ اب فرہاد اور وہ حسین عورت تنہا رہ گئے تھے۔ چلتے چلتے وہ عورت ایک دم رُک گئی اس نے پلٹ کر ایس پی کی جانب دیکھا اس کی انہی ساحرانہ آنکھوں سے اس کی نگاہیں ملیں اور خیال کی ایک رو اسے اپنی پیشانی سے ٹکراتی ہوئی نظر آئی اسے یوں محسوس ہوا گویا وہ آنکھیں اسے واپس چلے جانے کو کہہ رہی ہوں۔ پھر اس عورت کے چہرے پر ایک دلربانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

www.ksars.org

دوسرے لمحے ایس پی فرہاد کے دل میں یہ خیال تقویت پکڑ چکا تھا کہ اسے تعاقب ترک کرکے یا اس حسین و اجنبی عورت سے گفتگو کے شوق کو تشنہ چھوڑ کر واپس غیر ملکی وفد کے افسر اعلیٰ کی عیادت اور ضروری انتظامات کرنے کی غرض سے نہایت تیزی سے پہنچنا چاہیئے۔

یہ خیال آتے ہی وہ الٹے قدموں واپس ہوا۔ چند قدم چل کر تجسس اور کھوج نے اسے پھر اس اجنبی عورت پر ایک نظر ڈالنے کو اکسایا جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حسین پیامبر غائب ہو چکی تھی۔

اس حسینہ کے یکا یک غائب ہو جانے کے بعد جب وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا غیر ملکی وفد کے سر براہ اعلیٰ کے کمرے میں پہنچا تو ڈیوڈ اور رالف دونوں فکر مند تھے۔ سر براہ اعلیٰ کا چہرہ بالکل پیلا پڑ گیا تھا اور اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے رونما ہونے شروع ہو گئے تھے۔ وہ درد کے سبب بے قرار ہو رہا تھا یوں لگتا تھا کہ درد کی لہرا اس کے اندر اس طرح ابھرتی اور گزرتی ہے کہ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ اُٹھتا ہے۔

رالف نے ایسی آنکھوں سے جس میں شکایت پنہاں تھی، ایس پی فرہاد سے پوچھا"میں حیران ہوں کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ دروازے تک آکر کہیں اور چلے گئے تھے۔"

"مجھے معاف کر دو رالف۔ لیکن حالات ایسے ناقابلِ بیان ہیں کہ میں اپنی صفائی میں تم سے کوئی خاص بات نہیں کہہ سکتا۔ ایس پی فرہاد نے ملتجانہ انداز میں جواب دیا۔

ڈیوڈ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا"مسٹر فرہاد میرے خیال میں صاحب کی حالت بگڑتی ہی جا رہی ہے، فرسٹ ایڈ کے طور پر ہم نے جو کچھ کاروائی کرنا تھی کی جاچکی ہے۔ اب کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیئے۔"

"آپ کا کہنا بالکل مناسب ہے لیکن مسٹر ڈیوڈ اس ویرانے میں کسی ڈاکٹر کا ملنا مجھے تو ناممکن بات نظر آتی ہے۔ قریب ترین شہر لاڑکانہ ہے مگر وہاں کسی ڈاکٹر کا ٹیلی فون نمبر بھی نہیں معلوم ہے خیر ٹھہریے میں جا کر ریسٹ ہاؤس کے ملازم سے بات کرتا ہوں۔ آپ لوگ اس وقت تک مریض کے کمرے میں ہی رہیئے۔"

ایس پی فرہاد نہایت تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا پہلے کچن میں گیا اس کا خیال تھا وہ ملازم کچن میں ہی ہو گا۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ کچن میں نہیں ہے۔ اس نے ادھر اُدھر ملحقہ کمروں میں نظر دوڑائی اسے آوازیں دیں۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ ملازم کہاں چلا گیا ہے کہ وہ سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم؟ ایس پی فرہاد نے اس سے پوچھا۔

"سر یہیں ریسٹ ہاؤس میں ہی تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔

www.ksars.org

"ہم لوگ اس وقت شدید پریشانی میں مبتلا ہیں، کیا یہاں کوئی ڈاکٹر بھی مل جائے گا۔"

ملازم نے جواب دیا کہ ریسٹ ہاؤس کے آس پاس تو کسی ڈاکٹر کے ملنے کی امید نہیں ہے۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری کی تلاش کی گئی مگر وہ بھی مل کے نہیں دے رہی ہے۔ ایس پی فرہاد دوبارہ مریض کے کمرے میں پہنچا اور اس نے جا کر رالف اور ڈیوڈ دونوں سے کہا۔

"خود ڈاکٹر کو بلانے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔ اتفاق سے اس وقت ٹیلی فون ڈائریکٹری بھی نہیں مل رہی ہے جس سے کسی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہو۔ رالف اور ڈیوڈ اس کی طرف پریشانی اور گھبراہٹ کے ملے جلے تاثرات سے دیکھ رہے تھے۔ "مسٹر ڈیوڈ۔۔" نام کو ذرا کھینچتے ہوئے فرہاد نے کہا۔

"ملازم کو بھی ڈاکٹر بلانے کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ میں خود لاڑکانہ شہر جاؤں اور کسی ڈاکٹر کو بلا کر لاؤں۔ فاصلہ کوئی اتنا زیادہ نہیں ہے ڈیڑھ دو گھنٹے کے اندر اندر بخوبی واپس آسکتا ہوں۔ مگر اس میں نہ جانے مریض پر کیا گزر جائے۔"

تھوڑی دیر وہ تینوں خاموش رہے ان کے سامنے مریض پڑا ہوا تھا۔ جو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد درد کی شدت سے چلا اُٹھتا تھا یوں لگتا تھا جیسے جوئی اسے اذیت دے رہا ہو۔

"مسٹر فرہاد" ڈیوڈ، سکوت توڑتے ہوئے گویا ہوا۔ "میرے خیال میں ہمیں مریض کو اپنے ہمراہ ہی لے جانا چاہیئے۔ تاکہ ڈاکٹر کی امداد حاصل کرنے میں ہمیں کم سے کم وقت لگے۔" رالف نے بھی اس کی تجویز کی تائید کی۔

نہایت عجلت میں انہوں نے سامان پیک کیا، ایک کار میں جسے فرہاد خود چلا رہا تھا انہوں نے پچھلی سیٹ پر مریض کو لٹایا اور اگلی سیٹ پر ڈیوڈ اس کا شریکِ سفر تھا۔ ایک کار میں باقی اراکین بیٹھ گئے۔ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے وہ لاڑکانہ پہنچے۔ ریسٹ ہاؤس پہنچ کر انہوں نے جلدی جلدی ایک بستر تیار کر کے اس میں مریض کو لٹایا۔ اب ڈاکٹر کی تلاش کا مرحلہ تھا۔ ریسٹ ہاؤس کے ملازموں سے فرہاد کو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر بی اے علی شہر کے قابل ترین ڈاکٹروں میں سے ہے۔ چنانچہ فرہاد کار لے کر اسی وقت ڈاکٹر کے بنگلے پر جا پہنچا شہر کی اس کالونی میں جہاں شہر کے متمول اور معزز لوگ رہتے تھے۔ اس وقت کوٹھیوں پر رات کے سائے پھیل چکے تھے۔ ڈاکٹر بی اے علی کی کوٹھی تلاش کرنے میں اسے کوئی خاص دشواری نہ ہوئی۔ کوٹھی پر پہنچ کر اس نے کال بیل دبائی۔ ملازم نے باہر آ کر نام دریافت کیا اور اسے اندر لے جا کر ملاقاتیوں کے کمرے میں بٹھا دیا۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت مصروف تھے۔ چند لمحوں تک تو وہ میز پر

www.ksars.org

پھیلے ہوئے رسالوں کا جائزہ لیتارہا مگر پھر اکتا کر اس نے رسالے دیکھنے بند کر دیئے اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ جب پراسرار قوت سے موہنجو داڑو کے ویرانے میں ملاقات کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں دوبارہ آیا تھا اور اسے غیر ملکی وفد کے سربراہ اعلیٰ کے اچانک بیمار ہو جانے کی اطلاع ملی تھی تو اسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اس بیماری کا تعلق جسم سے نہیں ہے اور شاید وہی پراسرار قوت جس نے اسے فوراً واپس چلے جانے کو کہا تھا۔ اس بیماری کا سبب بنی ہے۔ مگر وہ اپنے اس خدشے کا اظہار کسی سے نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کا کوئی عقلی ثبوت وہ فراہم نہیں کر سکتا تھا ڈیوڈ سے اس کی بے تکلفی تھی اور ان دونوں میں اس دوستی اور بے تکلفی کی وجہ روحانی معاملات میں دلچسپی بھی تھی۔ مگر وہ ڈیوڈ سے بھی اس خیال کا اظہار کرتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ مگر جب وہ مریض کے کمرے کے باہر پہنچا تھا اور اس نے اسی پراسرار حسینہ کو وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا تو اس کا یہ وہم یقین کی حد تک پہنچ گیا تھا کہ یہ سب کاروائی اس کی جلد از جلد روانگی کو منطقی اور ناگزیر صورت دینے کے لئے پُراسرار قوت کی جانب سے کی جارہی ہے۔ اس یقین کے باوجود وہ اپنا فرض سمجھ رہا تھا کہ ڈاکٹر سے ضرور مشورہ کیا جائے اور مریض کو دکھایا جائے۔ وہ انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک میٹھے اور نرم لہجے نے اس کی محویت کو توڑ ڈالا۔ ڈاکٹر کمرے میں آچکا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

"معاف کیجیے گا آپ کو انتظار کی زحمت ہوئی فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" ایس پی فرہاد نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کا اصل مقصد بیان کیا۔

ڈاکٹر بی اے نے جس کے چہرے پر مریض کا حال سُن کر ایک گھمبیر تا سی پیدا ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر بی اے علی کا خیال تھا کہ شاید کھانے میں کوئی بد احتیاطی ہونے کی بنا پر ایسا ہوا ہو گا۔ کیوں کہ غیر ملکی حضرات ایشیائی ممالک میں غذا غیر خالص ہونے کی بنا پر اکثر و بیشتر اسی نوع کے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ریسٹ ہاؤس پہنچ کر ڈاکٹر بی اے علی نے بہت توجہ اور دیر تک مریض کا معائنہ کیا اور مریض کے خون اور پیشاب کا میکینکل تجزیہ کرانے کے بعد ڈاکٹر نے اسی رات فرہاد کا اطلاع دی کہ بظاہر مریض کو کوئی مرض نظر نہیں آتا۔ تجزیاتی رپوٹوں میں ہر چیز نارمل اور صحیح ہے۔

ڈاکٹر کی اس رائے کو سننے کے بعد وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ وہ متفکر اور پریشان واپس ریسٹ ہاؤس میں آیا۔ ڈاکٹر کی تجزیاتی رپورٹ پڑھنے کے بعد ڈیوڈ اور رالف بھی اپنے افسر اعلیٰ کے عجیب و غریب مرض کے بارے میں پریشان ہو گئے ایس پی فرہاد نے ان سے کہا۔ "میرے خیال میں ہمیں دورہ منسوخ کرنا پڑے گا کیوں مسٹر ڈیوڈ کیا خیال ہے آپ کا؟"

www.ksars.org

"ہاں شاید یہاں کراچی کے مقابلے میں زیادہ بہتر طبی فراہم نہ ہو سکیں گی۔"ڈیوڈ نے اظہارِ خیال کیا۔

"نہیں مسٹر ڈیوڈ۔ ایسی بات تو نہیں ہے اس شہر میں بھی اچھے معروف اور قابل ڈاکٹر موجود ہیں مگر پھر بھی میرا خیال ہے کہ۔۔۔۔ اور اس کے بعد کچھ نہ کہہ سکا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فرہاد نے کہنا شروع کیا۔

"مسٹر ڈیوڈ۔ میں ابھی آپ کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکتا مگر میرا خیال ہے کہ اپ کے افسر اعلیٰ یہاں سے کراچی پہنچتے ہی صحت یاب ہو جائیں گے۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ؟" رالف نے دریافت کیا۔ "کیا یہاں کی تیز گرمی اور خراب موسم کی بنا پر آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔"

"ممکن ہے مسٹر رالف ایسا ہی ہو۔"

ڈاکٹر بی اے علی بے ہوشی کی دوا مریض کو کھلا گیا تھا تا کہ درد کی شدت کم ہو جائے رات کے نو بجے تک فرہاد کے اس مشورے کو سب نے تسلیم کر چکے تھے کہ انھیں اولین فرصت میں واپس کراچی چلے جانا چاہیئے۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد فرہاد ان لوگوں سے رخصت ہو کر ائیر پورٹ چلا گیا تا کہ سیٹیں ریزرو کرا سکے۔ وہاں جا کر اسے شدید مایوسی ہوئی کیوں کہ صبح کی فلائٹ کی تمام سیٹیں ریزرو ہو چکی تھیں۔ وٹینگ لسٹ میں بھی کئی مسافروں کے نام تھے جنھیں سیٹ منسوخ ہونے کی صورت میں اولین موقع دیا جاتا۔ فرہاد نے ریزرویشن آفس کے افسر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر کچھ سیٹیں کینسل ہوتیں تو ان کے وفد کو بطور خاص زیرِ غور لایا جائے گا۔

افسر اعلیٰ نے اس کی بات تسلیم کرتے ہوئے کہا "مجھے آپ کی مشکلات اور بے چینی کا اندازہ ہے۔ مگر یہاں سے ہر فلائٹ پر شاذونادر ہی سیٹیں کینسل ہوتی ہیں۔ بہر حال اگر ایسا کچھ ہوا تو میں اپ کو ریسٹ ہاؤس میں اطلاع دے دوں گا۔"

فرہاد نے اُٹھ کر رخصت ہوتے ہوئے ہاتھ ملایا اور بولا۔ "مجھے امید ہے کہ ہم اسی فلائٹ سے جا سکیں گے۔ میرا فون نمبر نوٹ کر لیں۔ ہم معمولی نوٹس پر بھی آ جائیں گے۔ فرہاد خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوا اور واپس ریسٹ ہاؤس آ گیا۔

وفد کے تمام اراکین بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے اس کے پہنچتے ہی ڈیوڈ اور رالف نے بے چینی سے دریافت کیا۔

www.ksars.org

"کیا سیٹیں ریزرو ہو گئی ہیں؟"

"نہیں ابھی تک تو کوئی اُمید نہیں ہے۔ کئی روز متعلقہ افراد نے وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی سیٹ کینسل ہوئی تو وہ ہمیں دے دیں گے۔"

ڈیوڈ نے کہا۔"اگر صرف دو سیٹیں ہی مل جائیں تو میں صاحب کو لے کر چلا جاؤں گا۔ باقی لوگ کار پاٹرین کے ذریعے آسکتے ہیں۔"

"بہر حال کوئی نہ کوئی صورت تو اختیار کرنا ہی پڑے گی۔" فرہاد نے کہا۔

"ویسے تمام ارکان اپنا اپنا سامان پیک کر لیں ممکن ہے ہمیں فوری نوٹس پر صبح کی فلائٹ سے جانا ہی پڑ جائے۔"

مریض کی تیمار داری کے لئے ڈاکٹر بی اے علی نے ایک نرس بھیج دی تھی۔ لہٰذا وفد کے تمام اراکین فراہاد اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ نرس کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ ایمرجنسی کی صورت میں وہ آکر فوراً اطلاع دے دے۔

فرہاد اپنے بستر پر لیٹے لیٹے خیالات کے تانے بانے سلجھا رہا تھا۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ اس نے گھڑی دیکھی اور بے چینی سے کروٹ بدلی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ کل صبح کی فلائٹ سے ضرور چلے جائیں گے وہ بہت دیر تک ناصر کے بارے میں سوچتا رہا۔ کہیں اس کی عدم موجودگی میں متعلقہ تھانے کے اہلکاروں نے اس کے خلاف کوئی نئی کاروائی شروع نہ کر دی ہو ویسے تو وہ انھیں ناصر کے سلسلے میں احتیاط برتنے کی ہدایت کر آیا تھا مگر نہ معلوم حالات کیا رُخ اختیار کر جائیں اور پولیس والوں کو کوئی سخت قدم اُٹھانا نہ پڑ جائے۔ انہی خیالوں میں نہ جانے کب اسے نیند آگئی۔

ٹیلی فون کی آواز نے اسے جگا دیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے چار بجے تھے۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے وقت دیکھا اور ٹیلی فون پر ہیلو کہنے کے بعد بولا

"ریسٹ ہاؤس فرہاد ایس پی" دوسری طرف سے آواز آئی۔ میں ریزرولیشن آفس سے بول رہا ہوں۔ آپ کے لئے پانچ سیٹوں کا انتظام ہو گیا ہے۔ فلائٹ صبح ساڑھے چھ بجے جانے والی ہے۔

فرہاد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔"اوہ تھینک یو آپ کی بہت مہربانی۔ مگر یہ ایک دم پوری سیٹوں کا انتظام کیسے ہو گیا؟"

www.ksars.org

دوسری طرف سے جواب ملا۔ دراصل اسی فلائٹ سے جانے والے پانچ مسافر جو ایک کار میں سفر کر رہے تھے رات کسی وقت ایک حادثے سے دوچار ہو جانے کی بنا پر زخمی ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنا سفر ملتوی کر دیا ہے۔"

"اچھا خدا حافظ۔ ہم وقت مقررہ پر پہنچ جائیں گے۔" فرہاد نے یہ کہتے ہوئے ٹیلی فون رکھ دیا اور شب خوابی کا گاؤن درست کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا تاکہ فرداً فردا وفد کے تمام اراکین کو جا کر اطلاع دے سکے۔

www.ksars.org

ہوائی جہاز جوں جوں کراچی کے نزدیک پہنچ رہا تھا افسرِ اعلیٰ کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ہوش میں آچکا تھا لیکن اس کے چہرے سے شدید اضمحلال اور نقاہت کے آثار ہویدا تھے۔ افسرِ اعلیٰ کے برابر رابرٹ بیٹھا تھا۔ مقابل کی سیٹ پر فرہاد خود اور اس کے برابر ڈیوڈ بیٹھا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد فرہاد ایک طاہرانہ نظر افسرِ اعلیٰ کے چہرے پر ڈال لیتا۔ وہ اپنے ذہن میں اس کی موجودہ اور گزشتہ شام کی حالتوں کا موازنہ کر رہا تھا۔ افسرِ اعلیٰ کو بڑی مشکل سے اسٹریچر پر ڈال کر ایمبولینس میں ایئرپورٹ پہنچایا گیا تھا اور حیرت انگیز طور پر ایئر کی حدود میں داخل ہوتے ہی اسے ہوش میں آنے لگا تھا۔

ڈیوڈ نے فرہاد سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ہمارے صاحب تو اب بالکل ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں 'یوں لگتا ہے جیسے بیمار ہی نہ ہوئے ہوں۔" فرہاد نے جواب دیا اور پھر چند ثانیے خاموش رہ کر بولا۔

"اور پھر بیماری بھی اس قدر شدید کہ ڈاکٹر سے مرض کی تشخیص ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔ البتہ چہرے پر بیماری کے بعد کی نقاہت اور تھکن ظاہر ہے۔" ڈیوڈ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کراچی پہنچنے تک نقاہت کے یہ اثرات بھی چہرے سے زائل ہو جائیں گے۔" فرہاد نے مسکرا کے کہا۔ "" "کیوں؟ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" ڈیوڈ نے مجسم سوال بن کر پُوچھا۔

"جِس طرح میں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں کراچی واپس جانا ہو گا اور آج رات ہی جانا ہو گا۔" فرہاد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہاں آپ کی یہ بات تو بالکل درست ثابت ہوئی۔" ڈیوڈ نے اعتراف کیا۔

"بس اسی طرح باقی باتیں بھی درست ثابت ہوں گی۔" فرہاد نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ڈیوڈ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ دیوڈ نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر ڈیوڈ فرہاد سے مخاطب ہوا "افسوس ہمارا یہ دورہ ادھورا رہ گیا۔ ہم پاکستان کے خوبصورت قدرتی نظارے اور قابلِ دید تاریخی مقامات دیکھے بغیر واپس جا رہے ہیں۔"

فرہاد اپنے ہی خیالات میں کھو چکا تھا اس لئے اس نے دیوڈ کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ڈیوڈ چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کا کندھا ہلا کر بولا۔ "کُیوں جناب آپ کن خیالات میں کھو گئے؟"

www.ksars.org

فرہاد ایک دم چونک کر پلٹا" اوہ۔۔۔ آپ نے مجھ سے کچھ کہا! معاف کیجئے گا۔ ڈیوڈ، میں کچھ سوچنے لگا تھا۔"

کوئی بات نہیں میرے دوست۔"ڈیوڈ نے خوش دلی سے کہا۔ کبھی کبھی آدمی سوچوں میں گم ہو ہی جایا کرتا ہے لیکن بے تکلفی معاف۔ ایک زمہ دار پولیس آفیسر خواب و خیال کی وادیوں میں زیادہ سفر نہیں کرتا۔ یہ مشغلہ تو کچھ شاعروں ہی کو زیب دیتا ہے۔"

" ٹھیک کہا آپ نے۔" فرہاد نے جواباً کہا۔" مگر جس طرح ایک شاعر عالمِ خیال سے اپنے شہ پارے صفحہ قرطاس پر منتقل کرتا ہے۔ اسی طرح ایک پولیس افسر کا کام بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ ہم بھی کسی جُرم کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بار بار اپنے تخیل کی قوت کو ہی بروئے کار لاتے ہیں۔"

ڈیوڈ نے مُسکراتے ہوئے کہا،"اس وقت آپ کسی سنگین جُرم کی گتھی سُلجھانے میں مصروف تھے؟ کیا وہی طِلسماتی کیس۔"

"ہاں میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا ناصر کے کیس کے بارے میں۔ میں نے شاید کہا بھی تھا کہ کچھ باتیں میں آپ کو قبل از وقت نہیں بتا سکتا اور اب بھی اسی سلسلے میں میرے پاس کوئی قابلِ قبول دلیل تو موجود نہیں ہے مگر میرا خیال ہے کہ آپ کے اس وفد کے سربراہ کا اچانک بیمار ہونا اور پھر فوری واپسی میں ناصر سے متعلق ایک غیر مرئی قوت کا ہاتھ ضرور ہے۔

فرہاد نے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات پُوری کی اور ہر لفظ کے ساتھ اس کی انکھیں ڈیوڈ کے چہرے پر رُونما ہونے والے اثرات کا جائزہ لیتی رہیں۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا ڈیوڈ اس کی بات کو محض خرافات اور توہم پرستی سمجھ رہا ہے یا سنجیدگی سے یہ سب سُن رہا ہے مگر وہ کوئی خاص نتیجہ نہیں اخذ کر سکا۔ کیونکہ ڈیوڈ کے چہرے پر سنجیدگی اور کھلنڈرے پن کی دھوپ چھاؤں مستقل رنگ جمائے ہوئے تھی۔ چند لمحوں کے لئے فرہاد کی گفتگو کا سلسلہ ٹوٹا تو ڈیوڈ نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"تو یوں کہیے کہ آپ کے ناصر نے ہمارا سارا پروگرام خراب کیا ہے۔ کیا ناصر کو یا اس کی حامی غیر مرئی قوت کو ہم سے کوئی خاص دشمنی ہے، ہم تو غیر ملکی ہیں۔ ہمارا ان معاملات سے کیا تعلق؟"

www.ksars.org

"نہیں نہیں، اس قوت کو آپ سے کیوں دشمنی ہونے لگی۔ وہ تو یہ سب کُچھ ناصر کی محبت میں کر رہی ہے۔" فرہاد نے اس طرح صفائی پیش کی کہ دیوڈ کو ہنسی آگئی اور وہ بولا۔ "معلوم ہوتا ہے آپ توہمات پر بہت۔۔۔ زیادہ یقین رکھتے ہیں۔"

"توہمات پر نہیں حقیقت پر۔ کاش میں آپ کو بتا سکتا کہ میں نے اب تک کیا کچھ دیکھا ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران میں جن واقعات اور تجربات سے دوچار ہوا ہوں۔ انہوں نے واقعی مجھے توہم پرست بنا دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپ میری جگہ ہوتے تو آپ کا بھی ردِ عمل بھی مختلف نہ ہوتا۔" فرہاد نے فی الفور جواب دیا۔

"مسٹر فرہاد، آپ کو یاد ہو گا۔ میں آپ کو کئی بار رُوحانی علوم میں اپنی دلچسپی کے بارے میں بتا چُکا ہوں۔ توہم پرستی والی بات تو میں نے آپ سے لطف لینے کے لئے کی تھی ورنہ مجھے پختہ یقین ہے کہ ایسے حالات رُونما ہوسکتے ہیں جن میں انسان قطعی بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے۔"

"میں موہنجو داڑو" کے اُنچے ٹیلے کی اوٹ میں جس تجربے سے گزرا ہوں اور مجھے جو حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں آپ کو کراچی پہنچ کر سب کچھ بتادوں گا۔" فرہاد نے کہا۔

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ باتوں میں انہیں وقت گزرنے کا بالکل احساس نہیں ہوا تھا اور مسافروں کو حفاظتی پیٹیاں باندھنے کی ہدایت کی جارہی تھی۔

رابرٹ نے جو وفد کے سربراہ کے برابر بیٹھا ہوا تھا دریافت کیا۔ "سر اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" مُجھے تو یاوں لگ رہاہے گویامیں کبھی بیمار تھاہی نہیں۔" افسرِ اعلیٰ نے سگریٹ کا ایک طویل کش کھینچ کر دھواں خارج کرتے ہوئے نہایت خوشگوار موڈ میں جواب دیا۔

" خدا کا شکر ہے ۔ آپ صحت یاب ہوگئے۔ ہم سب تو آپ کے لئے بہت فکر مند ہو گئے تھے۔" رابرٹ نے پھر کہا۔

"ہاں عجیب سی تکلیف تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سینے میں کے اندر جسم کو کوئی نشتر سے چھید رہا ہو اور پھر سر میں سخت درد۔ خدا کی پناہ۔ میں تو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ بہر حال کراچی پہنچتے ہی اپنا میڈیکل چیک اپ کرواؤں گا اور پھر فوراًہی واپسی کا ارادہ ہے۔"

www.ksars.org

فرہاد تک وفد کے سربراہ کی آواز پہنچ رہی تھی۔ وہ زیرِلب مسکرایا۔ "اس پریشانی میں لطف کی بات یہ ہے کہ انھیں حقیقت سے آگاہ نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے سوچا۔

ایس پی فرہاد مہمانوں کو ان کی قیام گاہ پر چھوڑ کر اپنے گھر پہنچا۔ کپڑے بدلے، غسل کیا اور پھر متعلقہ تھانے کے ایس۔ ایچ۔ او کو فون کیا۔ "ناصر کے بارے میں کیا اِطلاع ہے؟" اس نے پہلا سوال یہی کیا۔ "سر! آپ کے حکم کے مطابق ہم نے ناصر کے معاملے کو آگے نہیں بڑھایا۔" "بہت اچھا کیا۔ میں یہی جاننا چاہتا تھا کہ کہیں میری عدم موجودگی میں کوئی نئی صورتِ حال نہ پیدا ہو گئی ہو۔" فرہاد نے کچھ توقف کر کے پھر کہا۔ "میں دورہ مختصر کر کے واپس آگیا ہوں، تم ٹیلی فون پر مجھ سے رابطہ قائم رکھو۔" ایس۔ ایچ۔ او کو ہدایت دے کر فرہاد نے کار نکالی اور آئی جی کو اپنی آمد کی رپورٹ دینے ہیڈ آفس روانہ ہو گیا۔ راستے بھر وہ سوچتا رہا کہ اسے اپنی رپورٹ میں کسی پراسرار قوت کا بھی ذکر کرنا چاہیئے یا نہیں۔ خاصے غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ معاملے کو محدود ہی رکھنا چاہیئے اور غیر ملکی وفد کے سربراہ کی علالت کی صرف طبی توجیہہ کافی ہو گی۔

تمام واقعات سنانے کے بعد فرہاد نے آئی جی سے درخواست کی کہ جب تک غیر ملکی وفد کراچی میں ہے اس کی جگہ کسی دوسرے افسر کو اس کے ساتھ تعینات کر دیا جائے۔"

"کیوں؟ آپ کو کوئی خاص دشواری درپیش ہے؟" آئی جی نے استفسار کیا۔ "جی سر! ایسا ہی سمجھ لیں۔" فرہاد نے ادب سے جواب دیا۔ "آپ کے خیال میں وہ کتنے دن کراچی میں قیام کریں گے؟" آئی جی نے پوچھا۔

"سر میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ان اختیار میں ہو تو وہ مزید ایک دن بھی ٹھہرنا گوارا نہ کریں گے۔"

"کیوں، ایسی کیا بات ہے؟"

"سر! میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ مغربی اقوام کے لوگ کسی ایشیائی ملک میں بیمار پڑ جائیں تو سمجھتے ہیں کہ انھیں اپنے ملک کے مقابلے میں بہت کم تر درجے کی طبی سہولتیں ملیں گی۔"

"یہ ممکن ہے ایسا ہی سمجھتے ہوں۔" آئی جی نے فرہاد سے اتفاق کیا۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر آئی جی نے مُہرِ سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کے خیال کے مطابق ان کا قیام صرف آئندہ چند گھنٹے تک رہے گا تو کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ آپ ہی ان کے ہمراہ رہیں۔"

www.ksars.org

"سر! میں آپ کو اپنی مشکلات سے شاید بخوبی آگاہ کر پاؤں گا۔" فرہاد نے مُلتجیانہ انداز میں کہا۔" اگر آپ کسی اور کو تعینات کر دیں تو بڑی عنایت ہو گی۔"

" اچھا۔۔۔یقیناً آپ کسی ایسی الجھن میں گرفتار ہیں جس کا ذکر مجھ سے بھی نہیں کرنا چاہتے۔" آئی جی نے نرمی سے کہا۔"خیر میں کسی دوسرے افسر کی ڈیوٹی لگا دیتا ہوں۔" فرہاد خاموش رہا۔ پھر آئی جی نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔"میں سمجھتا ہوں اخلاقی طور پر مجھے ان کی مزاج پرسی کے لئے خود جانا چاہیئے۔ آپ کی کیارائے ہے۔"

"جی۔ جی سر، اپ کا خیال نہایت مناسب ہے اور سر، آپ ازرا کرم اسے محسوس نہ فرمائیں دراصل میں جس مشکل سے دوچار ہوں وہ بہت زیادہ میرا ذاتی مسئلہ بن گئی ہے۔ البتہ کسی مناسب وقت پر میں ضرور اپ کو آگاہ کر دُوں گا۔" یہ کہہ کر فرہاد نے اجازت طلب کی اور سیلوٹ کر کے آئی جی کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

گھر سے تیار ہو کر نکلنے اور آئی جی سے ملاقات کر کت واپس ہو تک فرہاد کو بہ مشکل پون گھنٹہ لگا ہو گا۔ ابھی دن کے دس بجے تھے۔ فرہاد اپنی کار میں بیٹھا اور پولیس ہیڈ آفس سے روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے اپنا ایک گہرا دوست ملا لیکن اس نے اس سے بھی رسمی گفتگو کی اور آگے بڑھ گیا۔ اس کا رُخ تھانے کی طرف تھا۔ جہاں ایس۔ ایچ او اس کا منتظر تھا۔ اُس نے پولیس ہیڈ افس پہنچتے ہی سب سے پہلے ایس۔ ایچ۔ او کو ایک بار پھر فون کر کے کہا تھا وہ تھانے میں اس کا انتظار کرے۔ وہ جلد ہی پہنچ رہا ہے۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ ایس۔ ایچ۔ او کو ساتھ لے کر ناصر کے گھر جائے گا۔ تھانے کے گیٹ پر سے اس نے ایس۔ ایچ۔ او کو گاڑی میں بٹھایا اور ناصر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ناصر کے محلے میں داخل ہو کر فرہاد نے ایک جگہ کار روک دی۔ کیوں کہ آگے گلی اتنی تنگ تھی کہ کار کا جانا ناممکن تھا۔ کیوں کہ دونوں وردی میں ملبوس تھے اس لئے آس پاس کے لوگ بالخصوص بچے انہیں دیکھ کر ٹولیوں کی شکل میں جمع ہو گئے اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ ناصر نے پھر کوئی جُرم کر دیا ہے جو پولیس کے بڑے افسر خود آئے ہیں۔ ایک شخص نے ذرا بلند آواز میں کہا۔"بھائی ہر معاملے میں بے چارے ناصر کو تو بدنام نہ کرو اور پھر تم لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ناصر غریب نے کسی شریف آدمی کی تو پگڑی نہیں اچھالی تھی۔ کسی کی بہن یا بیٹی کو تو

www.ksars.org

نہیں چھیڑا تھا تو اس نے تو بس جس آدمی کی اکڑ فوں نکالی وہ محلے کا سب سے بڑا غنڈہ تھا جس کے ہاتھوں سارا محلہ ایک عذاب میں مبتلا تھا۔"

فرہاد کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ شخص بالواسطہ طور پر اس سے ناصر کی سفارش کر رہا ہے۔ وہ دونوں ناصر کے گھر کی طرف بڑھے۔ لوگ جستجو میں کچھ فاصلے سے ان کے پیچھے چلنے لگے۔ فرہاد نے ایس۔ ایچ۔ او سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے یونیفارم میں نہیں انا چاہیئے تھا۔ لوگ خوا مخواہ متجسس ہو جاتے ہیں۔ عجلت میں مین نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس طرح ملنے سے ناصر یا اس کی ماں پر کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑے گا۔ اب یہ لوگ ایک بار پھر ناصر کی طرف سے مشکوک ہو رہے تھے۔ انہی باتوں کے دوران وہ ناصر کے گھر کے نزدیک پہنچ گئے۔ ایس۔ ایچ۔ او نے اشارے سے گھر کی نشاندہی کی۔ ایس پی فرہاد نے اسے ہدایت کی وہ کار میں بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار کرے اور یہ کہ محلہ والوں کو بھی سمجھا دے کہ وہ ناصر کے پاس کسی جُرم کی تفتیش کے لئے نہیں آئے ہیں۔

"بہت بہتر، سر" یہ کہہ کر ایس۔ ایچ۔ او نے واپس کار کا رخ کیا دونوں پولیس افسران کی اس مختصر گفتگو کے دوران محلے والے ان سے کچھ پیچھے ہی ٹھہر گئے تھے۔ ایس۔ ایچ۔ او نے پلٹتے ہوئے ان لوگوں کو اشراے سے اپنے قریب بلایا اور ان سے کہا۔ "آپ لوگ یقیناً ناصر کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے۔ دراصل ایس پی صاحب ناصر کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں کہ اس نے ایک بدنام غنڈے کو اچھا سبق دیا۔" تمام لوگ ایس۔ ایچ۔ او کی یہ بات سُن کر حیران اور ششدر رہ گئے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "ارے ان پولیس والوں کی کسی بات کا اعتبار نہیں۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"

شاید ایس۔ ایچ۔ او کے کان میں اس بات کی بھنک پڑ گئی۔ اس نے پھر ان سے درخواست کی کہ وہ خوا مخواہ شکوک و شبہات کا شکار نہ ہوں اور اپنے گھروں کو لوٹ جائیں اور خود کار میں بیٹھ کر ایس۔ پی کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

فرہاد نے ناصر کے دروازے پر آہستگی سے دستک دی۔ دروازے کے بوسیدہ اور سالخوردہ کواڑ زُبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ ہمارے مکین کچلے ہوئے مفلوک الحال لوگ ہیں۔ اس کی دستک کے جواب میں اندر سے ایک ضعیف نسوانی آواز آئی، "کون ہے؟" فرہاد کو پہچاننے میں دیر نہ لگی کہ یہ آواز ناصر کی

www.ksars.org

بوڑھی ماں ہی ہو سکتی ہے۔ اس نے اپنے لہجے میں ممکنہ حد تک نرمی اور اپنائیت سمو کر کہا۔ "میں ہوں آنٹی جی۔ ناصر صاحب سے ملنے آیا ہوں۔"

بڑی بی نے اپنا چہرہ دروازے کی بے شمار جُھریوں کے قریب لا کر اسے غور سے دیکھا۔ دروازے تک آتے ہوئے وہ کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ فرہاد کو یوں لگا جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ میرے غریب بیٹے کے نام کے ساتھ صاحب کا لفظ لگانے والا یہ کون شخص ہو سکتا ہے؟ پھر دوسرے ہی لمحے بڑی بی کی بھرائی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ "الٰہی خیر، یہ پولیس والا پھر آ گیا۔"

فرہاد نے یہ جملہ سن کر دل ہی دل میں اپنی اس حماقت پر خود کو ایک بار پھر کوسا کہ وہ یونیفارم پہن یہاں کیوں آ گیا اور پھر بڑی بی کا خوف دور کرنے کے لئے بولا۔ "اماں جی، آپ پریشان نہ ہوں، میں ناصر صاحب کو کسی قسم کی زحمت دینے نہیں آیا ہوں۔ مجھے اپ اپنا ہمدرد سمجھیں۔"

"بیٹا! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔" بڑی بی نے بے چارگی سے کہا۔ "ناصر کے حالات ہی ایسے ہوش اُڑانے والے ہیں اور اب تم آ گئے۔"

"اماں جی! آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے تو میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ واقعی میں ناصر کو اپنے بھائی کی مانند سمجھتا ہوں۔ اس وقت اپ کے دروازے پر ایک پولیس افسر نہیں، اپ کا اپنا بیٹا کھڑا ہے۔" فرہاد نے کہا۔

"ہمیں اور پریشان نہ کرو بیٹا۔" پولیس والوں نے پہلے ہی بار بار آ کر ہمیں سارے محلے میں بدنام کر دیا ہے۔ ہمیں اب تمہاری کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میں تو ناصر سے کہتی ہوں کہ بیٹا یہ جگہ ہی بدل دے مگر سوال یہ ہے کہ پھر ہم جائیں کہاں!۔" ناصر کے منہ سے نکلنے والے ایک ایک لفظ سے مجبوری اور بے کسی ٹپک رہی تھی۔ فرہاد نے جواب میں کہا۔

"اماں جی! ایسا لگتا ہے کہ پولیس اور محلے والوں کے ساتھ ساتھ آپ ناصر سے بھی ناراض ہیں۔"

"بیٹا! ناراض نہ ہوں تو کیا خوش ہوں؟ ناصر جو اتنا سیدھا سادہ لڑکا ہے۔ کیسی بُری صحبتوں میں پڑ گیا ہے۔ جانے کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔" ناصر کی ماں نے تلخ لہجے میں اپنی بدظنی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اماں جی! اپ نے کیسے یقین کر لیا کہ وہ بُری صحبتوں میں پڑ گیا ہے؟" فرہاد نے پوچھا۔

www.ksars.org

"اے بیٹا! تو تو سوال جواب کیے جارہا ہے۔ میں پوچھتی ہوں اگر وہ بُری صحبت میں نہیں پڑا تو محلے والے کیوں اس سے نالاں ہیں؟ پولیس کیوں اس کے پیچھے پھر رہی ہے؟ اس کی جیب میں نوٹوں کی گڈیاں کہاں سے آجاتی ہیں؟" ناصر کی ماں اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہتی کہ فرہاد نے درمیان ہی میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اماں جی! آپ کی بدگمانیاں شاید میں ابھی نہ دور کر سکوں۔ لیکن ناصر نے کبھی آپ کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"ارے بتایا کیوں نہیں! لیکن اس کی بات سے میری تسلی کہاں ہوتی ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ نہ تو وہ بُری صحبت میں پڑا ہے اور نہ ہی کہیں ڈاکہ ڈال کر روپیہ لاتا ہے بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ کوئی پراسرار طاقت ہے جو اسے پیسے دے جاتی ہے۔ اس طاقت کا وہ کوئی نام بھی نہیں بتاتا۔" بڑی بی نے ٹھہر کر ٹھنڈا سانس بھرا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔

"تم خود ہی بتاؤ بیٹا! بھلا کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کو یوں ڈھیر سارے پیسے مل جاتے ہوں۔ میں اس سے پوچھتی ہوں کہ جب وہ سارا سارا دن تپتی دھوپ میں جان توڑ محنت کرتا، تب تو کبھی اس کے پاس اتنے پیسے نہ ہوئے کہ ہم دو وقت پیٹ بھر کر روٹی بھی کھا لیتے اور تن بھی ڈھانپ لیتے۔ مگر اب تو اس کی جیب روپیوں سے ٹھنسی رہتی ہے۔

ناصر کی ماں کی انکھیں جذبات سے بھیگ گئیں اور وہ خاموش ہو گئی۔

فرہاد نے کہا۔ "اماں جی، آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ واقعی آج کل ایمانداری میں زندگی میں دو وقت کی روٹی مہیا ہونا بھی مشکل ہو جاتا ہے، مگر اماں جی، اگر آپ میری بات مانیں تو میں کچھ کہوں؟" ناصر کی ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد فرہاد نے کہنا شروع کیا۔

"اماں جی، شاید آپ میرے عُہدے سے واقف نہیں ہیں۔ میں ایس پی ہوں جو پولیس کا ایک بڑا عہدہ ہوتا ہے ۔ میرے ماتحت درجنوں تھانے اور سینکڑوں ملازمین ہیں۔ چھوٹے چھوٹے تو کیا، اکثر بڑے بڑے مجرموں کو میرے ماتحت ہی گرفتار کرلاتے ہیں۔ مگر میں آج خود اپ کے دروازے پر حاضر ہوا ہوں۔ آپ کو یہ بتانے کے لئے کہ ناصر مُجرم نہیں ہے۔ اس نے درحقیقت کوئی جرم نہیں کیا۔ بلکہ وہ چند مشکلات میں گرفتار ہے اور شاید وہ ان مشکلات سے جلد گلو خلاصی نہ حاصل کر سکے۔ آپ تو ماں ہونے کے ناطے ناصر کو

www.ksars.org

مجرم سمجھ کر روتی اور کرہتی رہی ہوں گی۔ میں نے بھی شروع میں ناصر کو ایک عام ملزم ہی سمجھا تھا اور جب کئی بار وہ حوالات سے فرار ہوا تو میں بہت جھنجھلایا بھی تھا۔ ممکن تھا معاملہ اسے اشتہاری مجرم قرار دینے تک اجاتا۔ میرے ماتحتوں نے کئی بار ناصر کے اندر موجود کسی غیر انسانی پُراسرار قوت کا ذکر کیا، مگر میں نے ہمیشہ اسے ضعیف الاعتقادی قرار دیتے ہوئے اپنے ماتحتوں کا مذاق اُڑایا اور ان کو سختی سے ڈانٹ ڈپٹ بھی کی۔ پھر پے درپے واقعات رُونما ہوئے جن کی بنا پر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ناصر قطعی بے قصور ہے اور درحقیقت اس پر کسی طاغوتی قوت نے غلبہ پالیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خیر کی کوئی طاقت بھی اس کی پشت پناہی کر رہی ہے اور مجھے اسی قوت نے بھیجا ہے۔"

"بیٹا! کہیں تم مجھ سے بات تو نہیں بنا رہے ہو یا یہ بھی پولیس کی کوئی چال ہے۔" ناصر کی ماں کے لہجے میں خوف و شک کی آمیزش تھی۔

فرہاد ناصر کی ماں کے اس جواب پر مسکرا کر بولا۔ "اماں جی! آپ کے شکوک و شبہات اپنی جگہ درست ہیں۔ ہمارے یہاں کے لوگ پولیس سے بلا کسی وجہ کے بھی خوف زدہ رہتے ہیں لیکن آپ مجھ پر اعتماد کریں اور مجھے ناصر سے ملوادیں۔"

اس پر ناصر کی ماں نے تشویش کا کہا۔ "ناصر تو گھر پر نہیں ہے، بلکہ وہ تو گزشتہ دو دن سے گھر آیا ہی نہیں ہے۔ میں خود اس کے لئے بہت پریشان ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ ناصر دو دن سے گھر نہیں ایا۔ اماں جی! آپ کچھ اتا پتا بتا سکتی ہیں کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ گیا ہے یا کہاں جا سکتا ہے؟"

یہ سوال کرتے ہوئے فرہاد کے ذہن میں یہ شک ابھرا کہ شاید بڑی بی ابھی بھی مجھ پر اعتماد نہیں کر رہی ہیں۔ اور باوجود یقین دلانے کے ان کا خیال یہی تھا کہ میں ان کے بیٹے کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ وہ ایک تجربہ کار پولیس افسر تھا اور بات کرنے والے کے لہجے ہی سے اسے اندازہ ہو جاتا تھا کہ جھوٹ بولا جا رہا ہے یا سچ۔ ناصر کی ماں کی بات میں اسے سچائی کا وزن محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یہی تجزیہ کر رہا تھا کہ بڑی بی نے اس کی محویت کو توڑا اور بولیں،

"بیٹا! یہ سوال تم مجھ سے کر رہے ہو۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ناصر کہاں ہو سکتا ہے تو خود اسے تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑی ہوتی۔ ممتا بڑی عجیب شے ہے بیٹا! میں دو دن سے اس کی صورت دیکھنے کو

www.ksars.org

تڑپ رہی ہوں۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے آرہے ہیں۔ اللہ خیر کرے، میرا بیٹا صحیح سلامت ہو۔"

"اماں جی! آپ فکر مند نہ ہوں۔ اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ ناصر بخیریت ہو گا۔ میں اس کا سراغ لگانے کی پوری کوشش کروں گا۔"

پھر اس نے جیب سے سو سو روپے کے پانچ نوٹ نکالے اور ناصر کی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"شاید، آپ کو خرچ کی ضرورت ہو، ناصر بھی گھر پر نہیں ہے۔ اپ میری طرف سے یہ پیسے رکھ لیں۔ میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں۔"

"نہیں۔۔ نہیں بیٹا! اللہ تجھے جیتا رکھے۔ مجھے پیسوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس بیٹا! کسی طرح ناصر کو تلاش کر کے لا دو یا اس کی خیر خبر ہی مجھے پہنچوا دو تا کہ میرے بے قرار دل کو چین آجائے۔"

"اماں جان، آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میرے عملے کا کوئی نہ کوئی آدمی آپ کی خبر گیری کے لئے اتا رہے گا اور وہ ہمیشہ سفید کپڑوں ہی میں ہوا کرے گا۔ ویسے جب بھی کوئی ضرورت پڑے تو آپ مجھے فوراً بلوا لیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو بتایا میرا نام فرہاد ہے۔"

"اچھا بیٹے فرہاد! اللہ تجھے خوش رکھے۔ تیرے انے سے میری آدھی فکر دور ہو گئی اور ناصر کی طرف سے میرے دل میں جو شبہ تھا وہ بھی نکل گیا۔"

فرہاد ناصر کی والدہ سے رخصت ہو کر اپنی کار تک ایا۔ کار کے نزدیک پہنچتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے اگلے دو پہیوں میں ہوا بالکل نہیں رہی ہے۔ انسپکٹر اس کا منتظر تھا۔ اس کو آتا دیکھ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ فرہاد نے چھوٹتے ہی اس سے سوال کیا۔

"انسپکٹر، یہ گاڑی کو کیا ہوا ہے۔"انسپکٹر گھبرا کر بولا۔"سر، کچھ بھی تو نہیں ہوا۔"

"یہ دیکھو! یُوں لگتا ہے اگلے دونوں پہیوں کی ہوا کسی نے نکال دی ہے۔"فرہاد نے کہا۔

www.ksars.org

"سر، میں تو یہاں سے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ہٹا ہوں، اور کسی کا اس طرف سے گزر بھی نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ سر، ہوا نکلنے کی آواز تو آنی چاہیئے تھی۔ مجھے وہ بھی محسوس نہیں ہوئی۔"

انسپکٹر نے حیرانی سے وضاحت کی۔

"خیر ان باتوں کے لئے اب وقت نہیں ہے۔ تم جلدی سے رکشہ یا ٹیکسی کا بندوبست کرو۔ گاڑی بعد کو آدمی بھیج کر منگوا لینا۔" فرہاد نے حکم دیا۔ اس کے اندازے کے مطابق یہ نستور کی دشمن اسی قوت کا کارنامہ ہو سکتا تھا جو نہیں چاہتی تھی کہ وہ نستور کا حکم بجا لائے۔ اسی لئے وہ اس معاملے میں تفتیش کرنے کو وقت کا زیاں سمجھ رہا تھا۔ ٹیکسی ملنے میں انھیں تقریباً دس منٹ لگ گئے۔

اب ان کی ٹیکسی برق رفتاری سے فاصلہ طے کر رہی تھی۔ فرہاد نے انسپکٹر سے کہا "سب سے پہلے ہمیں یہ سُراغ لگانا ہے کہ ناصر کہاں جاتا ہے اور کس کے ساتھ رہتا ہے۔"

"سر، آپ کا خیال بہت مناسب ہے، مگر جب تک ناصر سے ملاقات نہ کیا جائے۔ اُس وقت تک یہ معلوم کرنا بظاہر خاصا دشوار معلوم ہوتا ہے۔" انسپکٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"مگر اس انتظار میں بہت وقت ضائع ہو سکتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہم جلد از جلد اس کا کھوج لگا لیں۔" فرہاد اتنا کہہ کر چند ثانیوں کے لئے خاموش ہوا اور پھر سوچتے ہوئے بولا۔ "لیکن تُم بھی ٹھیک کہتے ہو۔ آخر ہوا میں تو اس کی تلاش نہیں کی جا سکتی۔ ایک بار گھر آ کر وہ دوبارہ کہیں جائے۔ تب ہی اس کا تعاقب کیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے وہ آج ہی کسی وقت گھر لوٹے۔ لہٰذا پہلا کام تم یہ کرو کہ کسی ہوشیار آدمی کو سفید کپڑوں میں اس کے گھر پر تعینات کر دو اور اسے ہدایت کر دو کہ ناصر جہاں کہیں بھی جائے وہ نہایت احتیاط سے اس کا تعاقب کر دے اور تمام پتے نوٹ کر لے۔" فرہاد نے حکم دیا۔

"بہت بہتر سر۔ ایسا ہی ہو گا"۔۔۔۔۔۔انسپکٹر نے کہا۔

اب ان کی ٹیکسی بندر روڈ سے گزر رہی تھی۔ چاروں طرف ٹریفک کا ایک سیلاب تھا فرہاد بے توجہی سے ٹیکسی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ اگے سگنل سُرخ تھا۔ ٹیکسی رُک گئی۔ وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ یکایک فرہاد نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"خوب یاد آیا۔"

انسپکٹر جو اس کے ایک ایک اشارے کا منتظر تھا ایک دم بولا۔ "سر کیا یاد آ گیا؟"

www.ksars.org

"انسپکٹر! تم نے ایک بار حادثے کا ذکر کیا تھا جس میں کسی شخص نے دو آدمیوں کو بالکل بے بس کر دیا تھا اور اس معاملے میں کسی بڑے سیٹھ کی بیٹی بھی ملوث تھی۔"

"جی، جی، سر، میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ممکن ہے وہ ناصر ہی ہو۔" انسپکٹر نے ایسے لہجے میں جواب دیا جس میں کامیابی پر ہونے والا احساسِ طمانیت شامل تھا۔

"کیا نام بتایا تھا تم نے اس لڑکی کا؟"

"سر! وہ شہر کے بہت بڑے سیٹھ کی لڑکی ہے۔ بے انتہا، ماڈرن اور آزاد خیال شکیلہ رفیق اس کا نام ہے۔ اس کے روز و شب نائٹ کلبوں اور ڈانس پارٹیوں میں گزرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میرا خیال ہے ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ تم یہ معلوم کرو کہ آج شام شکیلہ رفیق کی کیا مصروفیات ہیں اور وہ کس پارٹی یا فنکشن میں شریک ہونے والی ہے۔" فرہاد نے ہدایات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

کراچی واپسی سے لے کر اب تک کی بھاگ دوڑ نے فرہاد کو تھکا دیا تھا۔ اس لئے وہ گھر پہنچتے ہی کھانا کھا کر سو گیا۔ ابھی شام ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ لہٰذا اس نے آرام کا یہ موقع غنیمت جانا۔ ویسے بھی اب جو کچھ ہونا تھا شام کو ہی ہونا تھا۔ پھر ٹیلی فون کی گھنٹی ہی نے اسے بیدار کیا۔ اس نے رسیور اُٹھایا۔ دوسری جانب سے ڈیوڈ بات کر رہا تھا۔ رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد ڈیوڈ نے اسے بتایا کہ شام کی فلائٹ سے وفد کے تمام اراکین وطن واپس جا رہے ہیں۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر ڈیوڈ کہ آپ لوگ دورہ ادھورا چھوڑ کر جا رہے ہیں مگر شاید اسی میں ہم سب کی بہتری ہو گی۔"

"اس افسوس کا اظہار اپ ایک بار پہلے بھی کر چکے ہیں۔" ڈیوڈ نے قہقہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے دراصل اپ کو الوداع کہنے کے لئے فون کیا تھا۔ آپ نے تو ہماری رفاقت ہی ترک کر دی۔ کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی؟"

"نہیں، نہیں مسٹر ڈیوڈ ایسا نہیں آپ کے ہمراہ میں نے جو وقت گزارا۔ وہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مگر میری ذاتی مجبوریاں ایسی تھیں کہ میں آپ کو الوداع کہنے کے لئے نہیں آ سکا۔ براہ کرم مجھے معاف کر دیجئے گا۔" ایس پی فرہاد نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

www.ksars.org

”واقعی آپ مشرقی لوگ بے حد بامروت ہوتے ہیں مسٹر فرہاد آپ فکر مند نہ ہوں۔۔۔مسائل زندگی میں ہر آدمی کے ساتھ ہوتے ہیں خُدا آپ کی پریشانی جلد دور کرے۔۔۔اچھا گڈ بائی۔“

”گڈ بائی۔“ فرہاد نے کہا الفاظ ادا کر کے فون رکھ دیا۔ اس نے گھڑی دیکھی سوا چار بج چکے تھے۔ حیرت ہے ابھی تک انسپکٹر نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ اُس نے سوچا۔۔ عین اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی نے دوبارہ اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ حسب توقع دوسری طرف انسپکٹر ہی تھا۔

”کہو کیا خبر ہے؟“ فرہاد نے قدرے بے چینی سے پوچھا۔

”سر، آج شام شکیلہ رفیق ایک فینسی دریس شو میں جارہی ہے اور اس کے ساتھ وہی آ آدمی ہو گا جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ ناصر ہے۔“

”اس کے بعد شکیلہ کا کیا پروگرام ہے؟“ فرہاد نے دریافت کیا۔

”سر، اس کے بعد وہ اپنی ایک سہیلی کے گھر ڈنر میں شرکت کے لئے جائیگی۔ میں نے اس کا پتہ بھی حاصل کر لیاہے۔ یہ نارتھ ناظم آباد کا ایک بنگلہ ہے۔“

”ٹھیک ہے تم فوراًمیرے پاس آجاؤ۔ اور خیال رہے کہ سادے لباس میں آنا۔“

”بہت بہتر، سر۔۔۔“ فرہاد نے رسیور رکھ دیا اور غسل کے لئے چلا گیا۔ جب وہ نہا کر نکلا تو موڈ خوشگوار تھا اور زیرِلب وہ کوئی گیت گنگنارہا تھا۔ اسی اثنا میں بیگم فرہاد نے چائے کی دو پیالیاں لئے دبے قدموں کمرے میں داخل ہوئی۔ دروازے کی جانب پشت ہونے کے باعث فرہاد کو اس کے انے کی خبر نہ ہوئی اور وہ اپنی دھن میں مَست تھا کہ بیگم کی آواز نے چونکا دیا۔

”اوہو! آج تو کئی دنوں بعد ماشاءاللہ طبیعت زوروں پر نظر آرہی ہے۔“

”ہاں بیگم! طبیعت تو آج واقعی بہت اچھی ہے۔“ فرہاد نے مسکرا کے جواب دیا۔

”چلیۓ! خُدا کا شکر ہے میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ کچھ دنوں کے لئے آپ باہر ہو آئیں تو صحت پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ گو آپ چند دن میں ہی واپس اگئے مگر طبیعت بحال ہو گئی ہے اور اس طرح ناصر کے جھنجھلاہٹ سے بھی آپ کی جان چھوٹ گئی۔“

بیگم فرہاد نے محبت میں ڈوبی ہوئی نظروں سے فرہاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

www.ksars.org

"بیگم اپ کا خیال تو درست ہو سکتا ہے کہ کراچی سے باہر چند دن قیام نے میری صحت پر خوشگوار اثر ڈالا ہو۔ لیکن ناصر کے جھنجھٹ سے جان کہاں چھوٹ سکتی ہے۔" فرہاد نے مُسکرا کر چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔

"ارے اب ختم بھی کیجئیے نہ قصے کو یا آپ مجھے چھیڑنے کو یہ کہہ رہے ہیں۔" بیگم فرہاد کے لہجے میں اندازِ محبوبی نمایاں تھا۔

"نہیں بیگم، اس میں ایسی کوئی بات نہیں ناصر کا معاملہ تو رہ گا مگر اب صُورتِ حال کچھ مختلف ہو گئی ہے۔"

"کیا اب کوئی نئی افت کھڑی ہو گئی ہے؟" بیگم فرہاد نے روہانسا ہو کر پُوچھا۔

"آفت تو نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے اگے چل کر راحت ہی ثابت ہو۔ بیگم، پہلے میرے اُپر ناصر سے متعلق کچھ سرکاری زمہ داریاں تھیں۔ میں نے اپنے طور پر ان ذمہ ڈاریوں کو نبھانے کی پوری کوشش کی۔ اب مجھے ناصر کی بے گناہی کا مکمل یقین ہو گیا ہے۔ مگر ایک اور پُراسرار طاقت نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ناصر کی مدد کروں۔ کیونکہ وہ کچھ مشکلات میں گھرا ہوا ہے اور بیگم، اس قوت کا تعلق انسانوں سے نہیں ہے۔" چند لمحے ٹھہر کر وہ دوبارہ گویا ہو۔

"اور تم یہ بھی سُن لو کہ اس قوت کے سامنے انکار کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ جب وہ مجھ سے رابطہ کرتی ہے تو میں اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔ خوابناک گھنٹیوں کی آواز مجھے بے بس کر دیتی ہے۔"

بیگم فرہاد کی انکھوں سے آنسو نکل ائے۔ اس کے منہ سے صرف اس قدر نکلا "اُف میرے خُدا! ہمارے گھر کو کس کی نظر کھا گئی ہے؟"

اسی اثنا میں خادمہ نے انسپکٹر کی آمد کی اطلاع دی۔

www.ksars.org

نیلی واکس تیزی سے کراچی کی پُر رونق سڑکوں سے گزرتی ہوئی شہر کے مشہور ہوٹل میں پہنچی جہاں تھوڑی دیر بعد فینسی ڈریس شو ہونے والا تھا۔ ہوٹل کے ارد گرد آج معمول سے زیادہ کاریں نظر آرہی تھیں۔ ہوٹل کے سامنے پھیلے ہوئے فٹ پاتھ پر کاروں سے رنگ وخوشبوؤں کا ایک سیلاب ہوٹل کی جانب رُخ کر رہا تھا۔ حسین اور خوبصورت خواتین شاندار ملبوسات میں ہوٹل کی جانب رواں دواں تھیں۔

فرہاد اور انسپکٹر ہوٹل کے مین گیٹ کے باہر ہی کھڑے ہوگئے۔ ابھی پروگرام شروع ہونے میں کافی دیر تھی۔

فرہاد کے حکم پر انسپکٹر اندر ہال کا جائزہ لینے چلا گیا۔ انسپکٹر نے ہال کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ایک چکر لگایا۔ وہ کنکھیوں سے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ بھی لیتا جارہا تھا۔ ہال نصف سے زائد بھر چکا تھا۔ عورتیں اور مرد کرسیوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کچھ لوگ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں ہال کے بغلی دروازوں کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ اپنی نوعیت کی واحد تقریب تھی جس میں لوگوں کو پابندی وقت کا اس قدر خیال تھا کہ وہ وقت سے کچھ دیر پہلے ہی آگئے تھے۔ انسپکٹر نے ہال کے اختتامی کونے سے اسٹیج کی جانب پھر ایک راؤنڈ لگایا۔ ایک دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے اپنی رفتار بالکل دھیمی کر دی۔ پھر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر ہال پر ایک طاہرانہ نظر ڈالی جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے کان عورتوں اور مردوں کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

"دیکھیں آج آول انعام کس کو ملتا ہے؟" ایک دراز قد خوبصورت عورت نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ شکیلہ رفیق ہی اول آئے گی۔" دوسری عورت نے اظہارِ خیال کیا۔

"اس لئے کہ ایک تو شکیلہ رفیق کے نقوش بہت زیادہ پُرکشش ہیں پھر سنا ہے کہ اب کی بار اس نے پیرس کے ایک ٹیلر سے فینسی شو میں شرکت کے لئے لباس سلوایا ہے۔"

"اور اس فینسی ڈریس شو کے اخراجات کا بھاری حصہ میں نے سنا ہے وہ اپنی جیب سے ادا کرے گی۔"

"تو گویا شکیلہ بھی اس فینسی ڈریس شو کے مقابلے میں شریک ہو رہی ہے۔ تب تو ہمیں شاید پروگرام کے اختتام تک یہیں انتظار کرنا پڑے گا۔" انسپکٹر یہ سوچتا ہوا پہلی قطار کے سامنے پہنچا۔ یکایک اسے انتہائی قیمتی سوٹ میں ملبوس ایک شناسا شکل نظر آئی۔ اس قسم کے تماشوں میں عموماً پہلی صف میں اہم شخصیات کے لئے جگہ

www.ksars.org

مخصوص ہوتی ہے۔ چناچہ یہ اندازہ لگانا تو کوئی مشکل نہ تھا کہ یہ شخص انتہائی اہم ہے مگر انپکٹر چند ثانیوں تک اپنے ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی یہ طے نہیں کر پا رہا تھا کہ اس نے اس شخص کو کہاں دیکھا ہے؟ اسی سوچ میں اس نے پہلی صف کو عبور کیا اور پھر دوسرے کونے پر جا کر واپس ہوا۔ ایک بار پھر اس نے اگلی صف میں بیٹھے ہوئے شخص کے خدوخال پڑھنے کی وہ کوشش کر رہا ہے وہ اپنے ناقدانہ جائزے سے ذرا بھی متاثر نہیں نظر آتا۔ ورنہ عموماً لوگ اس انداز کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور اضطرابی حرکتوں سے ان کے اظہارِ ناپسندیدگی کا پتہ چل جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ غیر معمولی اعصاب کا آدمی ہو۔ اور اس بے نیازی سے اپنی قوتِ ارادی کا ثبوت دینا چاہتا ہو۔ بہر حال، جو کچھ بھی ہو، وہ اپنے رویے سے بے نیاز آدمی لگتا تھا۔

یکایک انسپکٹر کے ذہن میں خیال کی ایک برقی رَو سی کوندگئی اور اس نے خود سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”ارے یہ تو ناصر ہے۔ پہچان میں ہی نہیں آرہا۔“ ناصر کو تلاش کرنے کی خوشی میں وہ جلد از جلد اپنے افسر ایس۔ پی فرہاد کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔

”سر! میں نے ناصر کا پتہ لگالیا ہے۔“ انسپکٹر نے جاتے ہی مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”کہاں ہیں ناصر صاحب؟“ فرہاد نے دریافت کیا۔

”سر! وہ تو پہچان میں ہی نہیں آرہے ہیں۔“ انسپکٹر نے فرہاد کو ناصر کے ساتھ ”صاحب“ کا لفظ استعمال کرتے دیکھ کر خود بھی زیادہ مہذب ہونے کا ثبوت دیا۔ اور پھر ساری بات اس نے فرہاد کو بتادی۔

اب باہر کھڑا ہونا بے سود تھا۔ دوسرے پروگرام شروع ہونے میں بھی تھوڑی دیر رہ گئی تھی۔ انسپکٹر نے اس فینسی ڈریس شو میں شرکت کے لئے دو پاس حاصل کر لئے تھے۔ وہ اپنی اپنی سیٹوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ خوش قسمتی سے انہیں پہلی قطار سے چند قطار پیچھے ہی جگہ مل گئی تھی۔ جہاں سے ناصر پر بخوبی نظر رکھی جاسکتی تھی۔

چوں کہ ناصر کا چہرہ فرہاد کے سامنے نہیں تھا۔ اس لئے اب تک اسے انسپکٹر کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا۔ اس بے یقینی کی وجہ بھی اس کے ذہن میں واضح تھی۔ کہاں ناصر جیسا غریب مزدور پیشہ آدمی جس کے پاس ڈھنگ کے کپڑے تک نہ تھے اور کہاں ایسا خوش پوش اور خوش لباس آدمی، اعلیٰ سوٹ میں ملبوس۔ وہ کوئی بڑا سیٹھ یا اعلیٰ عہدے دار نظر آتا تھا۔

پروگرام کا آغاز ہوا۔ ایک شخص نے اسٹیج پر آکر پروگرام کی غرض وغایت بیان کی۔ ان خواتین کے نام پکارے گئے جو اس مقابلے میں شریک تھیں۔ اسٹیج سکریٹری نے حاضرین کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ”

www.ksars.org

ہامرے ملک میں منعقد کئے جانے والے فینسی ڈریس شوز میں عموماً صرف پاکستان کی خواتین کے لباس جن میں علاقائی لباس بھی ہوتے ہیں شامل کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہم نے آج کا یہ مقابلہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مقابلے میں حصہ لینے والی خواتین ایک بار مشرقی لباس پہن کر اور ایک بار مغربی لباس پہن کر مقابلے میں شریک ہوں گی۔" اس بات پر ہال میں پُرزور تالیاں بجائی گئیں۔

اسٹیج پر چند ثانیوں کے لئے پردہ گرا دیا گیا۔ جب دوبارہ پردہ اُٹھایا گیا تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ مختلف رنگوں کی روشنیاں مقابلے میں شریک ہونے والی تمام عورتوں پر جو ایک قطار میں کھڑی ہوئی تھیں پڑ رہی تھیں اور ان کے حسن اور دلفریبی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے مقابلے میں شریک لڑکیاں اسٹیج پر آتی رہیں اور اپنے اپنے لباسوں کی تراش خراش، آرائش و زیبائش پر حاضرین سے دادِ تحسین وصول کرتی رہیں۔

اناؤنسر نے شکیلہ رفیق کا نام پکارا اور وہ مغلیہ لباس میں شہزادیوں کی مانند چلتی ہوئی اور چند منٹ اسٹیج پر کھڑے رہ کر چلی گئی۔ ہال دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔

جب مغربی لباس کا مقابلہ شروع ہوا تو شکیلہ رفیق نے فرانیسی خواتین کا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اب کے بھی اس کی امد پر ہال تالیوں سے دیر تک گونجتا رہا۔

فرہاد کے چہرے سے اس بے معنی اور لغو پروگرام سے متعلق بے زاری کی کیفیت عیاں تھی۔

بالآخر اسٹیج سکریٹری نے ڈریس شو کے خاتمہ کا اعلان کیا اور کہا کہ جج حضرات کسی فیصلے تک پہنچنے کے لئے گفت و شنید میں مصروف ہیں۔ اس وقت تک کے لئے چند تفریحی آئٹم پیش کئے جاتے ہیں۔

اور آخر میں اسٹیج سکریٹری ججوں کا فیصلہ لے کر اسٹیج پر آیا۔ لوگوں کی متجسس نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسٹیج کے گرد موجود لوگوں کہ بے ساختہ چیخیں نکل پڑیں۔

"سانپ! سانپ!"

اناؤنسر نے گھبرا کے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسٹیج پر چھ سات فٹ لمبا سیاہ سانپ تیزی سے رینگتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سانپ کی تیز پھنکاریں دل دہلائے دے رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر اسٹیج سے نیچے کودا اور بوکھلاہٹ میں آگے بیٹھے ہوئے لوگوں پر گر پڑا۔

www.ksars.org

سانپ رینگتا ہوا اسٹیج سے نیچے آگیا اور اب اس کا رُخ ناصر کی جانب تھا۔ سانپ کو آتا دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت سے لوگ بچاؤ کے لئے ایک ساتھ بھاگے۔ کئی لوگوں کے سر آپس میں ٹکرائے اور آپس میں گتھم گتھا ہو کر رہ گئے۔ ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ سانپ اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

ایس پی فرہاد اور انسپکٹر دونوں اس غیر متوقع صورتِ حال کے لئے قطعی تیار نہیں تھے۔ وہ بھی غیر ارادی طور پر لوگوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ایس پی کو اس جگہ سانپ کی موجودگی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ قانون کا محافظ ہونے کی حیثیت سے اس کے ذہن نے ایک دوسری طرز پر سوچنا شروع کر دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی یہ بد نظمی پیدا کر کے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہو؟

وہ لوگوں کو افراتفری میں مبتلا چھوڑ کر دروازے کی طرف بھاگا اور یکا یک اسی وقت ہال کی تمام بتیاں گُل ہو گئیں اور چاروں طرف گھپ اندھیرا ہو گیا۔ اندھیرے نے لوگوں کو اور بھی زیادہ بے حواس کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ عورتوں کی چیخیں مسلسل گونج رہی تھیں۔

اندھیرے میں لوگوں سے ٹکراتا ایس پی فرہاد دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں لوگوں کا ہجوم تھا جو باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایس پی بڑی دھکا پیل کے بعد باہر نکلنے میں کامیاب ہو سکا۔ باہر لان پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ہوٹل کے دوسرے سب کمرے روشن ہے۔ اسے حیرت ہوئی کہ ہال کی ساری بتیاں تو گُل ہیں لیکن باقی حصوں میں روشنی ہو رہی ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ہال کی بتیاں الگ الگ سوئچوں سے کنٹرول ہوتی ہیں۔ پھر اسے یہ بھی یاد تھا کہ کوئی سوئچ بورڈ کے قریب بھی نہیں گیا۔

وہ اسی ادھیڑ پن میں تھا کہ پورا ہال روشنیوں سے جگمگا اُٹھا، وہ تیزی سے ہال کے اندر پہنچا۔ ہال کے دروازے پر موجود لوگوں نے گھبرا کر ادھر اُدھر سانپ کو چاروں طرف تلاش کیا گیا۔ سانپ کے بارے میں لوگوں میں قیاس آرائیاں جاری تھیں۔ اور ہر قیاس ارائی میں حیرت کا عنصر شامل تھا۔

ایس پی فرہاد بھی اس واقعے کو کوئی معنی پہنانے سے قاصر تھا۔ کسی غیر قانونی واردات نہ ہونے کی وجہ سے اس کے خیال کی تردید ہو گئی تھی کہ کسی نے اپنے مذموم عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ ڈرامہ اسٹیج کیا ہے کیوں کہ ہال میں موجود خواتین اپنے قیمتی زیورات پہنے ہوئے تھیں اور ان سب کے پرس بھی محفوظ حالت میں تھے۔

خیالات کی رَو میں بہتے بہتے اس کا ذہن ناصر پر جا رُکا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نگاہیں ناصر کو تلاش کرنے لگیں۔ اسنے تمام سیٹوں پر نظریں دوڑائیں اور ہال میں کھڑے لوگوں کو بھی اچھی طرح دیکھا لیکن ناصر وہاں

www.ksars.org

موجود نہیں تھا۔ ایس پی کا ذہن ناصر کی غیر موجودگی کو سانپ والے واقعے سے جوڑنے لگا۔ اس نے سوچا کہ سانپ اور ناصر کی شخصیت دونوں میں ضرور کوئی پراسراریت موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ناصر کا اس واقعہ سے کوئی تعلق ہو جب ہی وہ وہاں موجود نہیں ہے۔ لیکن آخر ناصر کے یہاں سے جانے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟

اتنے میں انسپکٹر وہاں آ پہنچا۔ "سانپ نے کسی کو کاٹا تو نہیں؟" ایس پی نے پوچھا۔

"جی نہیں سر! ایسی کوئی خبر نہیں ہے اور سر! حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہوٹل کے لوگوں کے بیان کے مطابق جس وقت ہال کی روشنی گل ہوئی اس وقت ہوٹل کے دوسرے حصوں میں روشنی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ کسی نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر یا طے شدہ منصوبے کے تحت ہال کی لائٹیں بجھا دی ہوں تو اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کیوں کہ ہال اور اسٹیج کی روشنیاں الگ الگ سوئچ بورڈوں سے کنٹرول ہوتی ہیں اور انہیں ایک ساتھ جلانا یا بجھانا ممکن نہیں ہے۔"

"پہلے میرا ذہن کسی جُرم کی طرف گیا تھا لیکن موجود حالات نے اس کی نفی کر دی ہے۔"

ایس پی کی نگاہیں ہال کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے کہا۔ "ناصر نظر نہیں آ رہا ہے۔ نہ جانے کہاں چلا گیا۔"

"کیا ناصر نہیں ہے؟" انسپکٹر کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "میں تو اس ہنگامے میں اسے بھول ہی گیا تھا۔"

"ہمیں ناصر کو تلاش کرنا چاہیئے۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ناصر کا اس واقعہ سے کوئی تعلق ضرور ہے۔" ایس پی نے کہا۔

ایس پی بظاہر انسپکٹر سے باتیں کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن مسلسل سوچوں کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک پراسرار ہستی نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ناصر کو مشکلات سے نکالنے کی کوشش کرے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ناصر کی کس طرح مدد کرے۔

ایس پی اور انسپکٹر باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے اسی وقت انہیں شکیلہ رفیق نظر آئی جو ہوٹل کے اندر سے نکل کر باہر لان کی جانب آ رہی تھی۔ باہر نکلنے کا راستہ دونوں طرف سے سرسبز گھاس سے گھرا ہوا تھا۔

"انسپکٹر! تم یہیں رکو۔ میں شکیلہ رفیق سے ناصر کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ دیکھتے ہیں وہ ناصر کی غیر موجودگی کے بارے میں کیا کہتی ہے۔"

www.ksars.org

یہ کہہ کر ایس پی کار سے اترا اور تیزی سے چلتا ہوا شکیلہ رفیق کے قریب پہنچا۔"معاف کیجئے گا میڈم! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"پوچھو! کیا پوچھنا ہے۔" شکیلہ نے تیز لہجے میں جواب دیا اور بے اعتنائی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ایس پی نے اس کے لہجے کی سختی خاص طور پر محسوس کی۔ ایس پی نے شکیلہ کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے ناصر صاحب کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ فینسی ڈریس شو میں شرکت کے لئے وہ آپ کے ساتھ ائے تھے لیکن ہنگامے کے بعد وہ نظر نہیں آرہے ہیں۔"

یک لخت شکیلہ رفیق کے چہرے کے تاثرات مکمل طور سے بدل گئے۔ غصے میں آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔"ایس پی! اس معاملے میں ٹانگ اَڑانا چھوڑ دو ورنہ تمہارا حشر بہت بُرا ہو گا۔"

شکیلہ پر سوار ہیولا اپنی تمام تر سلاحیتوں کے باوجود ناصر کا پتہ چلانے میں ناکام ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھی عامر کے ہیولے کو اپنے معمول کی ضرورت تھی لیکن ناصر اس کے دائرہ نظر میں بھی نہیں آرہا تھا۔ دونوں کو اپنے شیطانی عزائم بروئے کار لانے کے لئے معمول کی ضرورت تھی لیکن عامر کا ہیولا اپنے جسم سے محروم ہو چکا تھا۔ اس معاملے نے دونوں کو سخت غصے میں مبتلا کر دیا تھا۔

ایس پی فرہاد کو شکیلہ سے اس رویے کی قطعی توقع نہیں تھی۔ اس نے غصہ کو پیتے ہوئے کہا۔

"لیکن میڈم!۔۔۔۔" ابھی وہ کچھ کہنے والا تھا کہ شکیلہ نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔"خاموش رہو!"

اس کے ساتھ ہی اس نے ایس پی کو ہلکا سا دھکا دیا۔ ایس پی گیند کی طرح اچھلا اور گھاس پر جا گرا۔ شکیلہ آگے بڑھ کر اپنی کار میں جا بیٹھی اور کار فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہو گئی۔

انسپکٹر نے ایس پی کا حشر دیکھا تو دوڑتا ہوا وہاں پہنچا۔ وہاں موجود کچھ لوگ بھی ان کے پاس پہنچ چکے تھے۔ گھاس پر گرنے کی وجہ سے ایس پی کو کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ وہ کپڑے جھاڑتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ شکیلہ رفیق کی طاقت پر حیران تھا کہ ہلکے سے جھٹکے نے اسے دور تک لڑھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"چوٹ تو نہیں ائی آپ کو؟" انسپکٹر نے قریب پہنچ کر پوچھا۔ موقع کی نزاکت کی وجہ سے وہ کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔

"نہیں۔" ایس پی نے کہا۔

www.ksars.org

"کیا بات تھی جناب؟"کسی نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ وہ ایس پی کو شکیلہ سے گفتگو کرتے دیکھ چکا تھا۔ اس لئے وہ شکیلہ کی سحر انگیز شخصیت سے غیر شعوری طور پر متاثر ہونے کی وجہ سے ایس پی کو قصور وار سمجھ رہا تھا۔ لیکن شکیلہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ آپ لوگ جائیں۔" ایس پی نے کہا اور خود وہ انسپکٹر کے ساتھ واپس کار میں آبیٹھا۔

شکیلہ کے عجیب وغریب رویئے نے اسے اُلجھا دیا تھا۔۔۔ یکا یک اس کے ذہن میں شکیلہ کے آخری الفاظ گونجے۔ لفظ "ایس پی" نے اسے چونکا دیا۔"شکیلہ سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ پھر اس نے کس طرح مجھے پہچان لیا؟" اس نے سوچا۔ شکیلہ کی گیر معمولی قوت نے بھی ایس پی کو ششدر کر دیا تھا۔

ایس پی کے ذہن نے ایک اور کروٹ بدلی۔ وہ ناصر کی حیرت انگیز صلاحیتیں پہلے دیکھ چکا تھا۔ ایسا تو نہیں کہ شکیلہ اور ناصر ایک ہی کشتی کے دو سوار ہوں؟"

اسی وقت انسپکٹر کے سوالات نے اس کے خیالات کے سلسلے کو توڑ دیا۔ لیکن اس نے گول مول جواب دے کر اس کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

راستے بھر دونوں میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ گھر پہنچ کر ایس پی نے انسپکٹر سے کہا۔

"تم شکیلہ کے گھر کی نگرانی کے لئے خفیہ پولیس کے آدمی کو مقرر کر دو۔ تا کہ اگر ناصر وہاں آئے تو پتہ چل سکے۔ اورہاں! ناصر کے گھر پر متعین شخص کو بھی ہدایت کر دو کہ اگر ناصر نظر ائے تو فوراًاطلاع کرے۔"

"یس سر!" انسپکٹر نے کہا۔ "لیکن سر! آپ شکیلہ کو کیوں ڈھیل دے رہے ہیں؟ براہ راست گھر جا کر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ وہ قانونی کاروائی میں رکاوٹ کی مرتکب ہوئی ہے۔"

"انسپکٹر! اس موضوع پر گفتگو نہ کرو۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔ ہمیں پہلے ناصر کا سراغ لگانا ہے۔" ایس پی نے کہا۔

"وہ انسپکٹر کو ان پُراسرار حالات کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس کے نزدیک اول تو انسپکٹر ان حالات کو اس کی توہم پرستی خیال کر سکتا تھا دوسرے اس سے حالات مزید پیچیدگی اختیار کر جاتے۔

دوسرے دن ایس پی فرہاد اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسور اُٹھایا۔ دوسری طرف انسپکٹر بول رہا تھا۔

www.ksars.org

"سر! آپ کی ہدایت کے مطابق شکیلہ رفیق کے گھر کی نگرانی کی جارہی ہے۔ ناصر کے گھر پر متعین سپاہی کی رپورٹ کے مطابق ناصر اپنے گھر نہیں آیا۔"

"ٹھیک ہے۔ نگرانی جاری رکھی جائے اور دوسرے یہ کہ شہر کے تمام مشہور ہوٹلوں کو چیک کیا جائے۔" ایس پی نے کہا۔

"بہتر سر! میں خود دیکھوں گا۔"

دفتر سے واپسی کے وقت ایس پی نے محسوس کیا کہ اس کا سر بھاری ہے۔ اس نے اسے کام کی زیادتی پر محمول کیا۔ اور سوچا کہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد طبیعت کی گرانی ختم ہو جائے گی۔

گھر پہنچ کر وہ سونے کے لئے لیٹ گیا لیکن دو تین گھنٹے کی نیند لینے کے بعد بھی اس کی طبیعت کی گرانی ختم نہیں ہوئی۔ اس نے محسوس کیا کہ دماغ کا بھاری پن نے سمٹ کر اس کی پیشانی میں آگیا ہے۔ اس بھاری پن نے پہلے سنسناہٹ کی شکل اختیار کی اور پھر یہ سنسناہٹ درد کی ہلکی لہروں میں منتقل ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ درد کی یہ لہریں پیشانی سے اتر کر آنکھوں کے پپوٹوں کو مضروب کر رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے آنکھیں خمار آلود بنی ہوئی ہیں۔ ایس پی اپنی قوتِ اردی سے کام لے کر آنکھیں کھولتا تھا لیکن اس کی آنکھیں اس طرح بند ہو جاتی تھیں جیسے نیند کا شدید غلبہ ہو۔ وہ یہ سوچ کر نیند پوری نہیں ہوئی دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ جیسے ہی آنکھیں بند کیں اسے سیدھے ہاتھ کی رگیں کھینچتی ہوئی محسوس ہوئیں اور دل کی حرکت اتنی زیادہ تیز ہو گئی کہ وہ اٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس خیال سے کہ جسم میں چستی آجائے۔ اس نے چائے طلب کی کہ خلافِ معمول اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ چائے میں شکر کی بجائے نمک ڈالنا چاہیئے۔ نمکین چائے پینے کے بعد اس کے کانوں میں گونج پیدا ہوئی۔ ایسی گونج جو مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے مشابہ تھی۔ ایس پی فرہاد جب اس آواز کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کوئی غیر مرئی طاقت اس کو کوئی پیغام دینا چاہتی ہے۔ اسی کیفیت میں رات ہو گئی اور اس کو یہ بھی ہوش نہیں رہا کہ کمرہ روشن کر دیا جائے۔ یکایک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک چمک پیدا ہوئی اور یہ چمک دودھیا روشنیوں کا روپ دھار کر آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اب جو دیوار پر نظر پڑی تو اس نے دیکھا کہ مرکری لائٹ کے روشن دائرے اوپر سے نیچے کی طرف رواں دواں ہیں۔

اگلی صبح اس نے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے تین دن کی چُھٹی کی درخواست لکھ کر بھجوا دی۔ دماغی بوجھ آج بھی اسی طرح تھا لیکن اس سے کسی قسم کی جسمانی کمزوری کا قطعی احساس نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے انسپکٹر کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ اس نے فوراً انسپکٹر کو اندر بلا لیا۔

www.ksars.org

"سر سنا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انسپکٹر نے مزاج پُرسی کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، بس طبیعت ذرا گری گری سی ہے۔" ایس پی نے بہانہ کرتے ہوئے کہا۔

"سر! آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ ویسے میں یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ میں نے تمام ہوٹلوں میں چیکنگ کرلی ہے لیکن ناصر نام کا کوئی آدمی کہیں بھی ٹھہرا ہوا نہیں ہے۔ میں نے احتیاطاً حلیہ بتا کر بھی دریافت کیا تھا لیکن ہر ایک نے نفی میں جواب دیا ہے۔ ناصر اور شکیلہ کے گھر پر متعین لوگوں کی رپورٹ کے مطابق وہ وہاں بھی نہیں آیا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاسکتے ہو!"

انسپکٹر کے جانے کے بعد دوپہر تک ایس پی فرہاد بستر پر لیٹا رہا۔ دوپہر کو لیٹے لیٹے اچانک ایک روشنی کی لہر اس کی نظروں کے سامنے سے گزری۔ وہ بے ساختہ اُٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کے پورے جسم میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور حلق سوکھا جا رہا تھا۔ وہ کچن میں پہنچا اور ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر واپس کمرے میں آگیا۔ رات تک کئی دفعہ مختلف رنگ کی روشنیاں ایس پی کی نظروں کے سامنے اتی رہیں۔ وہ ان حالات کو کوئی معنی پہنانے سے قاصر تھا۔

رفتہ رفتہ سامنے آنے والی روشنیوں کے دائرے پھیل کر خدوخال اختیار کر گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایس پی کے سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا جس کی آنکھوں سے اپنائیت کی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں اور جس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مُسکراہٹ ڈر اور خوف کے بجائے دوستی کا پیغام دے رہی تھی۔ نوجوان نے سفید رنگ کا خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا۔ ایس پی نے اسنوجوان ہستی کو فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی نستور تھا جس نے اُسے خواب میں بتایا تھا کہ وہ ناصر کا ہمدرد ہے اور اسے مشورہ دیا تھا کہ ناصر کی مدد کرے۔ وہی نستور اب اپنے اصلی روپ میں سامنے تھا۔

"آپ کون ہیں؟" ایس پی نے سوال کیا۔

"میرا نام نستور ہے اور میں ایک مسلمان جن ہوں۔ نوعِ انسانی سے میرا ایک خصوصی تعلق بنتا ہے اس لئے کہ میرے پیر و مرشد انسانوں میں سے ہیں اور ان کی نگاہِ کرم سے مجھے روحانی فیض پہنچا ہے۔"

"لیکن یہ ناصر کا کیا معاملہ ہے؟ اس کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا۔" ایس پی نے درمیان میں سوال کیا۔ نستور نے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ یہی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ میں اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے انسانوں کی دنیا میں آیا تا کہ ان کے حالات و واقعات کا تفصیلی جائزہ لے سکوں۔ سیر کے دوران میری نظر ناصر پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ

www.ksars.org

ایک ہیولا ناصر کو اپنا معمول بنا کر اپنی تخریبی پسند طبیعت کی تسکین چاہتا ہے۔ لیکن جنگو سے لڑائی پولیس سے مقابلہ اور پھر حوالات کی سلاخوں کو توڑ کر فرار ہو جانے سے پولیس کی توجہ ناصر کی طرف مبذول ہو گئی۔ اور ہیولا اپنے عزائم کو مکمل طور پر عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔" ناصر کو ہیولا کی گرفت سے آزاد کرانے کے لئے میں نے ناصر سے رابطہ قائم کیا۔ اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ ابھی حالات پر میں نے پوری طرح قابو بھی نہیں پایا تھا کہ ناصر پر سوار ہیولے کو اس کا ایک اور ساتھی مل گیا جس نے شکیلہ رفیق پر قبضہ جما لیا۔ ناصر پر سوار ہیولے کو پولیس کی مداخلت ناگوار گزر رہی تھی۔ چنانچہ اس نے کئی دفعہ آپ کو دھمکیاں دیں اور جبر اً کارروائی کو آگے بڑھنے سے روکا۔۔۔۔ میں براہ راست سامنے انا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے پسِ پردہ رہ کر آپ کے ذریعہ حالات کو سدھانا چاہا۔ وہ پراسرار عورت جس سے رہسٹ ہاؤس میں آپ ملے تھے وہ بھی میری پیغامبر تھی۔

پھر حالات کی نوعیت کے پیشِ نظر میں نے اس معاملے میں براہ راست دخل دینا ضروری سمجھا۔ فینسی ڈریس شو میں سانپ والا واقعہ میری طرف سے اعلانِ جنگ تھا۔ مجھے سامنے دیکھ کر ناصر پر سوار ہیولا فرار ہو گیا۔ اور میں نے ناصر کو ایک محفوظ مقام پر منتقل کر دیا۔ جہاں اس کی نگرانی ہو سکے۔"

"آپ ناصر پر سوار ہیولے کو اپنی روحانی قوت سے بھگا کر اسے ہمیشہ کے لئے نجات کیوں نہیں دلا دیتے؟" ایس پی نے سوال کیا۔

"میں ناصر کو ہیولے کی گرفت سے چھٹکارا تو دلا سکتا ہوں لیکن مستقل طور پر نہیں۔ جیسے ہی میری توجہ ناصر پر سے ہٹے گی، ہیولا دوبارہ اُسے گرفت میں لے سکتا ہے۔ اس کا مستقل حل یہ ہے کہ ناصر کے ذہن کو اتنی قوت فراہم کی جائے کہ وہ ہیولے کا معمول نہ بن سکے لیکن یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے ضروری سمجھا ہے کہ آپ کے ذریعے ناصر کی مدد کروں۔"

"میں ناصر کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟" ایس پی نے حیرانی سے پوچھا۔

www.ksars.org

"آپ کسی کامل فقیر کی تلاش کریں جو ناصر پر مکمل روحانی توجہ دے سکے۔" نستور نے جواب دیا۔

"ناصر کب تک آپ کی نگرانی میں رہے گا۔" فرہاد نے سوال کیا۔

"میں نے اسے محفوظ مقام پر منتقل کر دیا ہے لیکن بظاہر کہ میں اسے موجودات کی اس دنیا سے بہت دنوں تک دور نہیں رکھ سکتا۔ علاوہ ازیں جنات کی ابادی میں اسے مستقل قیام کی اجازت بھی نہیں مل سکتی۔"

فرہاد کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اسے نستور کو انکار کر دینا چاہیے۔ وہ ناصر کو ہمیشہ کسی غیر معمولی قوت کے زیر اثر سمجھتا رہا تھا۔ لیکن نستور کی باتوں کے بعد اب اس پر اصل حقیقتِ حال واضح ہوئی تھی۔ لہذا وہ گھبرا گیا تھا۔ ایک مردہ شخص کے ہیولے سے میں کہاں مقابلہ کر سکوں گا۔ جب کہ مجھے روحانی عُلوم سے بھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے نستور کی موجودگی سے بے خبر ہو کر انہی خیالات میں غرق رہا۔

نستور کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس کی آنکھیں فرہاد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ فرہاد نہ جانے کب تک ان خیالات میں کھویا رہتا کہ نستور کی ملائمت امیز آواز نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

نستور نے کہا۔ "فرہاد مجھے معلوم ہے کہ تم ذہنی کشمکش کا شکار ہو گئے ہو۔ ان چند لمحوں میں تمہارے ذہن میں جو جو خیالات بھی ائے ہیں وہ سب مجھ پر منکشف ہو گئے ہیں۔ جس طرح انسانوں میں بعض لوگ ٹیلی پیتھی کے ماہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالے نے جنات کو بھی اس ذہنی خصوصیت سے سرفراز فرمایا ہے۔" اتنا کہنے کے بعد فرہاد نے اب تک جو سوچا تھا۔ اس کی پوری تفسیل نستور نے اس کے سامنے بیان کر دی۔

فرہاد یہ سُن کر ہکا بکا رہ گیا۔ تب نستور نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے میرے دوست! ایک آدم زاد کی امداد کرنا تمہارا فرض ہے۔"

تم میں غیر معمولی صلاحیتیں ہیں۔ اسی سبب سے میں نے تم کو منتخب کیا ہے۔ نستور کے ان الفاظ نے فرہاد کے اندر بھرپور قوتِ اردی پیدا کر دی اور اس نے نہایت اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

"میں ناصر کی ہر ممکن امداد کرنے کو تیار ہوں۔" فرہاد نے کہا۔

"ناصر کو پُراسرار ہیولے سے نجات دلانے کے لئے تمہیں کسی بزرگ کامل کی رہنمائی کی ضرورت ہو گی سرِدست تمہارا کام اتنا ہی ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی نستور کا سراپا دھیرے دھیرے تحلیل ہوتا ہوا، آنکھوں کے سامنے سے روپوش ہو گیا۔ فرہاد نستور کے جاتے ہی بستر پر دراز ہو گیا۔ اسے اپنے ذہن کے اوپر سے بوجھ ہلکا ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ

www.ksars.org

مطمئن تھا کہ بہر حال اس پر اصل صورتِ حال کا انکشاف ہو گیا تھا۔ اب بھی وہ ناصر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مگر ذہنی تناؤ اور کش مکش کی کیفیت کے بجائے اب وہ اس مسئلے پر اطمینان سے غور کر سکتا تھا۔

شہر میں مشہور کئی پیروں کے نام اس کے ذہن میں ائے جن سے وہ اس سلسلے میں مدد لے سکتا تھا۔ مگر ان میں سے کسی کے بارے میں بھی وہ حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں نہ جانے کب اسے نیند آگئی۔ جب وہ بیدار ہوا تو گہری شام ہو چکی تھی۔ آج کئی ہو فتوں کے بعد وہ ایسی گہری نیند سویا تھا۔

اس نے ملازمہ کو بلا کر نمک کی چائے لانے کو کہا۔ جوں جوں نمک کا استعمال وہ اپنی خورد ونوش کی اشیاء میں کر رہا تھا، ویسے ویسے اس کے ذہن سے خوف، وسوسے، اندیشے کم ہوتے جا رہے تھے۔ اور مستعدی، خود اعتمادی اور چیزوں کا روشن پہلو دیکھنے کی عادت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ انسپکٹر کو ٹیلیفون کیا اور کسی بزرگ کی تلاش کا حکم دیا۔

"سر!" انسپکٹر نے بتایا۔ "شہر میں ایک مجذوب فقیر کا ان دنوں بہت تذکرہ ہے۔ بلکہ ناصر صاحب کے ساتھ ان کا نام لیا جا تا رہا ہے۔ میں ان کا کھوج لگانے کی کوشش کروں گا۔۔۔"

"بہت بہتر" فرہاد نے کہا۔ جیسے ہی اطلاع ملے مجھے بتاؤ ہم خود اس مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔"

\-

ناصر کی انکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اجنبی ماحول میں پایا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک مسہری پر دراز ہے۔ کمرے کے پردے گہرے سبز رنگ کے تھے۔ پورے کمرے میں مسہری کی سفید چادر کے علاوہ ہر چیز سبز رنگ کی تھی اس کی نظر کمرے کے جس گوشے پر ابھی پڑتی تھی تو وہ آسودگی اور راحت سی محسوس کرتا تھا۔ کسی بھی رنگ سے ذہن پر مرتب ہونے والے گہرے اثرات کا اسے زندگی میں پہلی بار تجربہ ہوا تھا۔ اجنبی مقام پر ہونے کے باوجود اسے کسی طرح کی گھبراہٹ اور بے چینی یا اضطراب محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ اسے اپنے اجنبی مہمان سے ملنے کی آرزو دل میں محسوس ہو رہی تھی، وہ اسی سوچ میں تھا کہ ایک نورانی چہرے والا شخص جس کی کمر خمیدہ تھی، کمرے میں داخل ہوا۔

"ناصر میاں آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس اپنائیت بھرے لہجے نے ناصر کا دل جیت لیا۔ اسے سوال کرنے والے سے غیر معمولی وابستگی اور محبت محسوس ہوئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، صرف یہی پریشانی ہے کہ کس جگہ موجود ہوں؟" ناصر نے جواب دیا۔

www.ksars.org

"گھبراؤ نہیں بیٹے تم دوستوں کے درمیان ہو۔" نُورانی چہرے والے شخص نے کہا۔ "تمہیں یہاں نستور لے کر آیا ہے۔ تم نستور سے بخوبی آگاہ ہو۔ وہ تمہارا خیر خواہ ہے۔ میں اس کے پیر و مرشد کا بھائی ہوں۔" نُورانی چہرے والے بزرگ شفقت و محبت بھرے لہجے میں بول رہے تھے۔ نستور کا ذکر سُن کر ناصر ایک دم گھبرا سا گیا۔ اور بولا۔

"تو کیا میں نستور کی قید میں ہوں۔" "نہیں نہیں بیٹے۔" بزرگ نے جواب دیا۔ "تم کسی کی قید میں نہیں ہو۔ تم دراصل ایک تباہ کُن چکر میں پڑ چکے تھے۔ اسی لئے نستور تمہیں یہاں لایا ہے۔ ایک مردہ شخص عامر کا ہیولا تمہیں وقتاً و قتاً اپنا معمول بنالیتا ہے اور تم اسے اپنی خواہشات کے مطابق گناہ سرزد کراتا ہے۔ تم خوش نصیب ہو کہ مکمل تباہی سے بچ گئے اور نستور کی نگاہ تم پر پڑی۔

"میں نے تمہیں اس تباہی و بربادی سے بچانے کا پختہ ارادہ کیا ہوا ہے۔"

بزرگ کے ہر فقرے کے ساتھ ناصر کے تعجب اور حیرانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ "تو میں کسی بد روح کا نشانہ بن گیا ہوں؟" ناصر نے بے تابی سے سوال کیا:

"میرے بیٹے پہلے میرے سوال کا جواب دو۔" بزرگ نے پدرانہ شفقت کے لہجے میں کہا۔ "مجھے تم بتاؤ کہ تم کیا محسوس کرتے ہو۔"

"میں کیا کرتا ہوں۔" ناصر نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا مگر دشواری یہ ہے کہ کوئی میری بات کو سچا نہیں جانتا۔ میں نے اس سے پہلے اپنی والدہ کو اپنی واردات سنائی مگر انہیں بھی یقین نہیں آیا۔ پولیس کے آدمیوں کو بھی میری باتوں یقین نہیں ایا۔۔۔۔ اور پھر دور کیوں جائیں بعض اوقات مجھے خود ان باتوں کے بارے میں یقین نہیں آتا بلکہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دن رات کے کچھ گھنٹوں میں میں اگر ناصر رہتا ہوں تو دوسرے لمحوں میں، میں کچھ اور بن جاتا ہوں۔" بزرگ اس کی باتیں پوری توجہ سے اور دلجمعی سے سُن رہے تھے۔ ان کے چہرے پر نرم مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جب ناسر خاموش ہوا تو بزرگ نے کہا۔

"مگر اب جب تک تم ہمارے پاس رہو گے، تم وہی پُرانے والے ناصر کی حیثیت میں رہو گے اور تمہیں اپنی شخصیت دو واضح پرتوں میں منقسم محسوس نہیں ہو گی۔ ہم تمہیں اس لئے یہاں لائے ہیں تاکہ ہیولے سے تمہاری جان بچادیں اور تم از سرِ نو، معمول کے مطابق زندگی بسر کر سکو۔ مگر اس سلسلے میں تمہیں کئی دشوار مرحلوں سے گزرنا ہو گا۔"

www.ksars.org

معاًناصر نے محسوس کیا جیسے کمرے میں گھنٹیوں کی آواز گونجنے لگی ہے اور کمرے میں ایک خوشبو پھیل گئی ہے۔ گھنٹیوں کی آواز اور خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے ان بزرگ نے ناصر سے مخاطب ہو کر کہا۔"لو وہ آگیا۔" اور ناصر کی آنکھوں کے سامنے سفید پوشاک میں ملبوس ایک نوجوان آدمی کا سراپا ابھرنا شروع ہو۔ اس کا وجود رفتہ رفتہ یوں اس کی انکھوں کے سامنے آگیا گویا روشنی کے دائرے پھیلتے جارہے ہوں اب وہ نوجوان اس کے سامنے تھا۔ وہ نوجوان تعظیم کے لئے اس بزرگ کے سامنے جھکا اور السلام علیکم کہا۔ بزرگ نے جواب میں وعلیکم السلم اور نوجوان کے لئے دعائیہ کلمات کہے اور پھر ناصر سے مخاطب ہو کر کہا۔"ناصر تمہارے دوست اور یہی خواہ آگئے ہیں۔" ان سے ملو، یہ ہیں نستور۔"

"نستور؟" ناصر کے منہ سے نکلا۔ مگر وہ اپنے دوست اور خیر خواہ کو پہچان نہیں سکا تھا۔

"ہاں نستور۔۔" بُزرگ نے جواب میں کہا۔ اس عالم موجود میں جسمانی صورت میں شاید تُم اُن سے پہلی بار مل رہے ہو۔ مگر اس سے پہلے یہ تمہارے آس پاس رہ چکے ہیں۔ ان کا تعلق اشرف المخلوقات سے نہیں بلکہ جن قوم سے ہے۔ ناصر! تمہیں ہر وقت پاک صاف رہنا چاہیئے۔ اسی صورت میں ہیولے سے تمہارا چھٹکارا ممکن ہو سکے گا۔"

فرہاد نے شہر میں معروف ایک روحانی اشخاص سے ناصر کے مسئلے پر جا کر گفتگو کی۔ اس نے ایسے بزرگوں کی روحانی کرامات کے بارے میں مختلف اشخاص سے بہت کچھ سُن لیا تھا اور ان میں سے تقریباً ہر ایک جن، بُھوت، پریت وغیرہ اُتارنے کا بزعم خود دعویدار تھا۔ مگر جب فرہاد نے ان سے ناصر کے سلسلے میں مدد چاہی تو ان میں سے ایک دو نے تو گول مول باتیں کر کے فرہاد کو ٹالنے کی کوشش کی۔ ایک بزرگ نے جو اس کی حیثیت اور پولیس میں اس کے عہدے سے واقف تھا، فرہاد کو مخلصانہ مشورہ دیا کہ اسے ان چکروں کو چھوڑ کر اپنی ملازمانہ سرگرمیوں کی جانب توجہ دینی چاہیے۔

"عجیب بات ہے۔" فرہاد نے سوچا۔"ان میں سے کوئی شخص بھی میری مدد کو آمادہ نہیں ہے۔ تو کیا ان کے دعوؤں کے پیچھے خُدا کو بیوقوف بنانے کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے؟ آخر اب کس سے رُجوع کرنا چاہیئے؟ اس نے سوچا اور پھر فوراً ہی اسے یاد آیا کہ ناصر کے سلسلے میں اس کے محلے میں پھرنے والے ایک مجذوب کا ذکر اس نے سنا تھا۔ اسی مجذوب سے رُجوع کرنا چاہیئے۔ فرہاد نے سوچا۔ گھر آکر اس نے اسی وقت انسپکٹر کو فون کیا اور اس سے مجذوب کا پتہ

www.ksars.org

لگانے کا حکم دیا۔ مگر مجذوب سے ملنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ انسپکٹر دو دن سے مایوس واپس آرہا تھا۔ اس نے ارد گرد کے آدمیوں سے دریافت کیا کہ مجذوب بابا کہاں سے آئے ہیں؟ مگر کسی کو بھی ان کا ٹھکانہ معلوم نہیں تھا بس وہ تو ایک دم اس بازار میں آجاتے تھے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر چلے جاتے تھے۔ انسپکٹر نے دو دن تک مستقل طور پر سادہ لباس میں پولیس کا ایک سپاہی تعینات کیا۔ مگر مجذوب کی آمد کی کوئی اطلاع نہ ملی۔ ادھر فرہاد کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ آج تیسرا دن تھا۔ دوپہر ہو چکی تھی اور ابھی تک انسپکٹر کی طرف سے مجذوب کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ فرہاد کو بیٹھے بیٹھے یکا یک یوں محسوس ہو گویا کسی نے اسے مشورہ دیا ہو کہ اسے دوپہر میں اسی وقت جاکر اس راستے پر کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ جہاں سے مجذوب بابا گزرتے ہیں۔ اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور ناصر کے محلے کو روانہ ہو گیا۔ غریب بستی کے بازار میں دوپہر کے سبب چہل پہل کچھ زیادہ نہ تھی اسکول سے لوٹتے ہوئے بچے اسے بازار میں نظر آتے یا کہیں کہیں سیاہ برقعوں میں عورتیں اور کہیں کہیں دکانداری کرتے نظر آتے۔ اکثر دکاندار خالی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک چکر مختصر سے بازار کا لگایا اور پھر آکر ایک جگہ کھڑا ہو گیا ابھی فرہاد کو کھڑے ہوئے تھوڑا وقت ہی ہوا ہو گا کہ اسے سنائی دیا کوئی کہہ رہا تھا"مجذوب بابا آگئے ہیں۔" فرہاد نے کہنے والے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل کا مالک تھا۔ جس نے مجذوب بابا کی امد کے ساتھ ہی جلدی ایک پیالی میں چائے بنانی شروع کر دی تھی۔ چائے کے ساتھ ساتھ اس نے ایک چھوٹی سی ٹرے میں پیسٹری، کیک پیس اور ڈبل روٹی سجائی اور پھر نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ اس ٹرے کو اُٹھاتے ہوئے مجذوب کی طرف چلا۔ مجذوب بابا اس وقت تک ایک مکان کے سائبان تلے آکر بیٹھ گئے تھے۔ مُجذوب بابا کے ارد گرد کئی لوگ جمع ہو گئے تھے اور فرہاد بھی ان میں سے ایک تھا۔ مجذوب بابا نے چائے والے سے چائے کا کپ لیا اور ایک کیک پیس اُٹھا کر کھالیا۔ گرم گرم چائے مجذوب بابا نے ایک ہی گھونٹ میں انڈیل لی۔

"بابا جی۔ اتنے دن سے کہاں تھے۔" چائے والے نے سوال کیا۔ مگر بابا جی نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کیطرف دیکھ کر ہنس دیئے۔ پھر کچھ بڑبڑائے مگر یہ الفاظ کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔

اب فرہاد آگے بڑھا اور ادب سے بولا۔ "بابا جی! میں ایک کام سے آیا ہوں۔"

"آؤ، آؤ، جو آئے گا وہ پائے گا۔" مجذوب بابا کے الفاظ اب کی بار واضح تھے۔ فرہاد نے مجذوب بابا سے کہا"میں ناصر کے سلسلے میں آپ کی مدد چاہتا ہوں۔"

" اللہ مدد کرے گا بابا۔" مجذوب نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔" جا شہر سے باہر جا۔" مجذوب نے کہا اور پھر ایک دم اُٹھ کھرے ہوئے اور انے جانے لگے۔ تمام لوگ وہیں ٹھہر گئے تھے مگر فرہاد

www.ksars.org

مجذوب بابا کے پیچھے پیچھے اس امید میں چلا کہ شاید کوئی اور اشارہ مجذوب بابا کریں گے۔ ابھی وہ چند قدم ہی گیا ہو گا کہ مجذوب بابا نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پیچھے کس لئے آتا ہے؟" جا بابا اپنا کام کر۔"

اب فرہاد میں ہمت نہیں تھی کہ وہ مجذوب بابا کے پیچھے جاتا وہ وہیں ٹھہر گیا تھوڑی دور آگے جا کر جہاں بازار ایک موڑ مُڑ تا ہے، مجذوب بابا نظروں سے او جھل ہو گئے۔

فرہاد اب چائے والے کی دکان پر پہنچا اور اس سے مجذوب کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیئں۔

"بابو صاحب معلوم نہیں بابا جی کہاں سے آتے ہیں، کہاں جاتے ہیں۔ جب آتے ہیں میں تو ایک کپ چائے اور چند بسکٹ پیش کر دیتا ہوں۔ کبھی کھا لیتے ہیں کبھی پھینک دیتے ہیں۔ کسی کو اپنے ساتھ جانے نہیں دیتے۔ میں تو کہوں جی کوئی بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ان کی دُعا میں بڑا اثر ہے۔ جو بات کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتی ہے۔" فرہاد اس کی عقیدت مندانہ گفتگو سنتا رہا پھر پوچھا۔ "اب بابا جی کب آئیں گے۔"

"اجی ان کے آنے کا کوئی ٹھیک وقت نہیں ہے۔ آ جائیں تو کل ہی آ جائیں نہ آئیں تو ہفتوں گزر جائیں۔ من موجی ہیں۔" چائے والے نے جواب دیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

مجذوب بابا کے جواب سے فرہاد کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ حیران تھا آخر کس طرح اس الجھن کو سلجھا سکے گا۔ سارا دن اسی کشش و پیچ میں رہا۔ رات کو بستر پر لیٹ کر بھی فرہاد کو یہی خیالات آتے رہے۔ بھلا کراچی سے باہر جا کر کون سے شہر میں تلاش کروں۔ یہ سارا ملک پیروں، خانقاؤں اور جھاڑ پھُونک کرنے والوں سے بھرا پڑا ہے۔ اگر فرداً فرداً ہر خانقاہ پر بھی جاؤ تو نہ جانے کب گوہر مقصود ہاتھ ائے اور شاید تمام خانقاؤں اور مزاروں پر حاضری دینے کے لئے تو عمرِ نوحؑ درکار ہو گی۔ میرے خیال میں مجھے مجذوب بابا کی خدمت میں ایک بار پھر جانا چاہیئے۔ شاید وہ مزید تشریح کر دیں یا ان کے کسی فقرے سے آسلی شخص کے بارے میں کوئی سرا ہاتھ اجائے۔ بصُورت دیگر تو یہ بات ناممکن ہے اگر اب نستور میرے پاس ایا تو میں اس صاف صاف معذرت کر لوں گا۔ آخر مجھے اپنے بال بچے بھی پالنے ہیں۔ سرکاری ملازمت کا معاملہ ہے۔ کب تک اس ایک معاملے میں جس کا براہ راست میرے محکمے سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔ اپنی جان کھپاتا رہوں۔ بہر حال مجھے ایک دو بار تو مجذوب بابا کی خدمت میں اور جانا چاہیئے، ممکن ہے کشھ کامیابی حاصل ہو۔" انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں نہ جانے اسے کب نیند آ گئی۔ خواب میں اس نے دیکھا کہ وہ سفر کرتا ہوا ریل کی پٹڑی سے ہٹ کر ایک ویران اور بنجر میدان میں داخل ہو گیا ہے۔ یہاں دور دور تک کسی انسان کا پتہ نہیں ہے خود درو جنگلی

www.ksars.org

پودوں، جھاڑیوں کا سلسلہ حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ اسی جنگل میں جھاڑیوں اور پودوں سے بچتا بچاتا نامعلوم سمت چلا جا رہا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنا راستہ گم کر دیا ہے اور حیران و پریشان ہے کہ اس ویرانے میں کس سے راستہ دریافت کرے۔ تھوڑی دور اور اس پریشانی میں چلتے چلتے اسے ایک جگہ پر جھاڑیوں کے درمیان ایک پگڈنڈی نظر آئی جس پر لوگوں کے قدموں اور بیل گاڑی کے پہیوں کے نشانات تھے۔ وہ اس راستے پر چل پڑا۔ اور چلتے چلتے ایک مختصر سے گاؤں پہنچتا ہے۔ جہاں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد میں نورانی چہرے والے ایک بزرگ چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں جو اسے دیکھ کر مسکراتے ہیں گویا اس کی امد پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔" وہ اپنا مدعا عرض کرنے کے لئے لب کھولنا ہی چاہتا ہے کہ فرہاد کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ فرہاد نے تکیے کے نیچے سے گھڑی نکال کر دیکھی تو صبح کے چار بج رہے تھے۔

چند ثانیے وہ جاگتا رہا۔ اس کے بعد دوبارہ اسے نیند آ گئی۔ وہ اس خواب کو کوئی معنی پہنانے سے قصر تھا۔ البتہ نورانی چہرے والے بزرگ کے خدوخال کچھ کچھ اس کے ذہن نشین ہو گئے تھے اور جس مسجد میں وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ صبح کو ذہن پہ زور ڈالنے سے اسے یاد آیا کہ اس کے صحن کے مشرقی رُخ نیم کا ایک گھنا درخت تھا۔ مسج پُرانے زمانے کی لگتی تھی جو لجھوری اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اور اس کے سامنے کا رُخ پچی کاری اور سبز رنگ کی روغنی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ تاہم یہ مقام کہا تھا اور خواب میں نظر انے والے بزرگ کون تھے؟ آیا اسے ناصر کے مسئلے کے حل کے لئے خواب میں بشارت دی گئی تھی اس کے بارے میں وہ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ آج ہی مجھے مجذوب بابا سے ملاقات کے لئے جانا چاہیئے۔ ممکن ہے وہ آج بھی تشریف لانے والے ہوں۔ یہ سوچ کر وہ تقریباً اسی وقت پھر اسی بازار میں پہنچ گیا اور جا کر پرانی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ آج بھی مجذوب بابا اپنے اسی انداز میں چلتے ہوئے بازار میں داخل ہوئے اور ان کے عقیدت مندوں کا اسی طرح ان کے گرد ہجوم ہو گیا۔ اور وہ اپنے کل والی جگہ پر بیٹھ گئے اور چائے والا چائے بنا کر بھی لے ایا۔ وہ مجذوب بابا کے قریب پہنچ گیا اور جا کر سلام کر کے ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ مگر آج مجذوب بابا کسی کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ رہے تھے اور کسی میں انہیں مخاطب کرنے کی جرات بھی نہیں ہو رہی تھی۔ کافی دیر تک فرہاد اسی طرح کھڑا رہا کہ کب مجذوب بابا نگاہ اُٹھاتے ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ مجذوب بابا نے ایک نگاہ اپنے ارد گرد کھڑے ہوئے لاگوں پر ڈالی اور پھر فرہاد کی طرف دیکھ کر ناگواری کے انداز میں بولے۔

"تُو پھر آ گیا، کاہے کو آتا ہے بابا۔ تیرا مطلب خواب میں ہے۔"

"مگر بابا خواب میں جگہ کا پتہ نہیں ملتا۔" فرہاد نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

www.ksars.org

"پتہ ملے گا، کیوں نہیں ملے گا۔" مجذوب نے یہ کہہ کر اسے مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا۔ فرہاد شاید وہیں کھڑا رہتا کہ اسی چائے والے نے کہا۔ "بابا جی چلے جانے کو کہہ رہے ہیں۔ صاحب یہ وارننگ ہے، چلے جاؤ۔"

دوسری شب بھی فرہاد نے اسی ترتیب سے خواب دیکھا اور پھر تیسری شب بھی خواب اسے پہلے دن کی طرح مکمل جزئیات کے ساتھ نظر آیا۔ حتیٰ کہ اسے وہ نورانی شکل بزرگ، وہ مسجد اور راستے کا ایک ایک موڑ ازبر ہو گیا جیسے وہ بارہا اس مقام تک آتا جاتا رہا ہو۔ مسلسل تین یوم تک ایک ہی خواب دیکھ کر اور مجذوب کے اشارے کے بعد اسے اس بات کو یقین تو ہو گیا تھا کہ اس کا گوہر مقصود خواب میں نظر انے والے بزرگ ہی سے حاصل ہو گا۔ مگر اس کی تلاش ایک طویل عمل تھا۔

ناصر اب ان بزرگ سے جو نستور جن کے پیر بھائی تھے، کافی مانوس ہو چکا تھا۔ نستور کی خواہش کے مطابق انہوں نے ناصر کی ذہنی قوت کے اضافے کے لئے ضروری مشقیں شروع کرا دی تھیں۔ جس کمرے میں ناصر کو رکھا گیا تھا اس میں کبھی سبز، کبھی نیلا پردہ لٹکا دیا جاتا تا کہ ناصر کے اندر خود اعتمادی دوبارہ پیدا ہو سکے اور وہ آئندہ عامر کے ہیولے سے ٹکراؤ ہو جانے کی صورت میں صرف اس معمول بن کر نہ رہ جائے بلکہ اس کی راہ میں مزاحمت کرے اور اس کی خواہشات کا تابع بن کر نہ رہ جائے۔

نستور کا خیال یہ تھا کہ اس کے پیر و مرشد حضرت جی ناصر کا علاج کامیابی سے کر سکتے ہیں مگر اصل مشکل یہ تھی کہ ناصر کو جب ہیولے نے اپنا معمول بنایا تھا اور نستور کا اس کا علم ہوا تھا تو اس پیر و مرشد حضرت جی شہر چھوڑ کر ایک طویل ریاضت کے لئے جنگل میں چلے گئے تھے۔ کسی کو بھی حاضر ہونے کی اجازت نہ تھی۔ ناصر کو ہیولے کا معمول بنے کئی ماہ ہو چکے تھے اور اس تمام مدت میں نستور کبھی اس سے بے خبر نہیں رہا تھا اور اس کے بچاؤ کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اسی سبب سے ناصر ہیولے کے ہاتھوں مکمل طور پر خود کو طاغوتی قوتوں کے سُپرد کئے جانے سے بچا رہا تھا۔ مگر اب پانی سر سے اُوپر ہوتا دیکھ کر اس نے سوچا تھا کہ مُرشد کے پیر بھائی سے رُجوع کیا جائے۔

نستور کے پیر و مرشد کے پیر بھائی کا نام عبد الرحمن تھا اور انہوں نے بھی اپنی طویل عمر ریاضت اور مجاہدہ نفس میں گزاری تھی۔ ناصر کو ان کے گھر آئے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ اس اثنا میں انہوں نے ناصر میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے اس پر مختلف اوقات میں مختلف رنگوں کے اثرات ڈالے تھے جس کے اثرات ناصر کے ذہن پر مرتب ہو رہے تھے، نستور تین دن سے روزانہ ناصر کے پاس ارہا تھا۔ اس نے مشاہدہ کیا کہ ناصر میں کچھ تبدیلیاں ہوئی

www.ksars.org

ہیں لیکن ابھی قطعی طور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آیا دوبارہ اپنے ماحول میں لوٹ آنے کے بعد اس کے ذہن کی قوتِ مدافعت ہیولے کے مقابلے میں برقرار رہ سکے گی یا نہیں؟

شام کا وقت تھا۔ ناصر اس وقت عصر کی نماز اور بزرگ کا بتایا ہوا وظیفہ پڑھ کر فارغ ہوا تھا کہ یکایک اسے اپنے کمرے میں کسی وجود کا احساس ہوا۔ کمرے میں ایک دلنواز خوشبو پھیلی اور پھر رفتہ رفتہ کمرے کی نیم تاریکی میں ایک نوجوان کا جسم معدوم سے عالمِ وجود میں آتا ہوا نظر آیا۔ ناصر پہچان گیا کہ یہ نستور کی آمد امد ہے۔ چند ثانیے بعد نستور اپنے اسی سفید لباس میں ایک نوجوان کی شکل میں موجود تھا۔ اس نے ناصر کو السلام علیکم کہا۔ جواب میں ناصر نے مصلے سے اُٹھتے ہوئے وعلیکم السلام کہا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ پھر وہ دونوں مسہری پر جا کر بیٹھ گئے۔

"اب آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟ نستور نے سوال کیا۔

"میں پہلے سے خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ ذہنی انتشار اور اضمحلال ختم ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور آسودگی، خوداعتمادی اور اطمینانِ قلب اس کی جگہ لیتے جا رہے ہیں۔" ناصر نے جواب دیا۔

" الحمد اللہ کہ ہمارے پیر و مرشد کے برادر روحانی کی کوششیں کامیاب ہوتی نظر آ رہی ہیں۔" نستور نے کہا، اور پھر کچھ پھل اسے کھانے کو دیئے۔ یہ پھل نستور وادی جنات سے لایا تھا۔ ناصر تین روز سے مسلسل اس پھل کو کھا رہا تھا۔ اس کی صورت ہماری دُنیا کے سبب ملتی جلتی تھی۔ نستور کا کہنا تھا کہ یہ پھل ذہنی قوت کھوئے ہوئے اور بے اعتمادی اور کمزور قوتِ ارادی کے آدمیوں کے لئے بہتر ہوتا ہے۔

www.ksars.org